دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ——— ۲۳
شمارہ نمبر ——— ۱۰
شوال، ذیقعدہ ——— ۱۴۰۸ھ
جولائی ——— ۱۹۸۸ء

لہ دعوۃ الحق
قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ
۴۰ ۳۴ / ۴۱ / ۳۴
۴۳۵
کوڈ نمبر ۵۲۳۱۷-

مدیر ——— مولانا سمیع الحق

اس شمارے میں

بدلِ اشتراک
پاکستان میں ——— ۴۰/- روپے سالانہ ——— فی پرچہ ۴/- روپے
بیرونِ ملک ہوائی ڈاک ۶/- پونڈ سالانہ ——— ہوائی ڈاک ۱۰/- پونڈ سالانہ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شریعت آرڈیننس یا نفاذِ شریعت سے فرار کی کوشش

متوقع انتخابات، اربابِ حکومت اور اہلِ سیاست کی ذمہ داریاں

موجودہ حساس اور نازک ترین حالات میں جمعیۃ علماء اسلام کے مساعی و اہداف

نفاذِ شریعت آرڈیننس کے بعد سینیٹ کے اجلاس میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اپنی تحریکِ استحقاق پر مفصل خطاب فرمایا جس کی اجمالی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی سینیٹ سیکرٹریٹ سے تقریر کا مفصل متن تاحال موصول نہیں ہو سکا۔ تاہم ذیل میں ہم مولانا موصوف کی تحریکِ استحقاق اور خطاب کی اخباری رپورٹ نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں گذشتہ ہفتے مولانا سمیع الحق مدظلہ نے کراچی میں ملک کی تازہ ترین صورتحال پر پریس کانفرنس سے جو خطاب کیا اس میں اربابِ اقتدار، سیاسی راہنماؤں، زعماءِ قوم و ملت، دینی قوتوں اور عامۃ المسلمین کے لیے فکر و تدبر اور روشن مستقبل کی ضمانت پر مبنی واضح خطوط موجود ہیں جس میں ملک کی تازہ ترین صورتحال اور منجدھار میں ہچکولے کھاتی ہوئی ملکی "نیا" کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کے واضح نشانِ راہ قائم کر دیئے گئے ہیں۔ ذیل میں اس اخباری پریس کانفرنس کی بھی مختصر رپورٹ پیشِ خدمت ہے۔ خدا کرے کہ اربابِ علم و بصیرت، دینی قوتیں اور خود اربابِ حکومت واقعۃً بھی عبرت و نصیحت اور حقیقت پسندی، قومی تحفظ، ملکی سالمیت اور نفاذِ شریعت کا واضح لائحہ عمل اختیار کر سکیں کہ یہی نظریۂ پاکستان کی اساس اور بقاء و استحکامِ مملکت کی ضمانت ہے۔ (ع، ق، ح)

تحریکِ استحقاق | میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ سینیٹ کا اجلاس ملتوی کر کے میرے استحقاق سے متعلق درج ذیل معاملہ زیرِ غور لایا جائے:-

ہم نے سینیٹ میں شریعت بل پیش کیا تھا جو مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے دفعہ وار بحث کے مرحلہ پر ایک منتخبہ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ لاکھوں مسلمانوں نے بل کے حق میں رائے دی اور یہ کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ کہ اچانک صدرِ پاکستان نے اسمبلی توڑنے کے بعد ایک شریعت آرڈیننس جاری کر دیا جس میں ہمارے بل کا کوئی بھی ایک دفعہ موثر، جامع اور اصل شکل میں شامل نہیں کیا گیا مثلاً عدالتوں کو شریعت کے مطابق فیصلوں کا پابند نہیں کیا گیا، انتظامیہ اور مقننہ کو پابند نہیں کیا گیا، حکام مملکت کو احتساب سے بالاتر رکھا گیا، غیر اسلامی مالیاتی اور عائلی قوانین ختم کر دینے کے بجائے اس کے لیے جو طریقِ کار رکھا گیا وہ ایک طویل منزل ہفت خوان کو سر کرنے کے برابر ہے۔ تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے بارہ میں فوری نافذ العمل قوانین نہیں رکھے گئے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ قرآن و سنت کو سپریم لاء کے بجائے صرف ایک بڑا سرچشمہ قرار دے دیا گیا۔ اس صورتحال کے باوجود عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ شریعت نافذ العمل ہو چکی ہے اور اب پیش شدہ شریعت بل نافذ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ صورتحال منطقی طور پر شریعت بل کو ختم کرنے اور اس کے نفاذ سے فرار کی

ایک کوشش ہے، اس سے نہ صرف میرا بلکہ سارے ایوان اور ملک کے کروڑوں مسلمانوں کا استحقاق مجروح کر دیا گیا ہے اس لیے اس مسئلہ کو زیرِ غور لایا جائے ۔

خطاب | مولانا سمیع الحق نے تحریکِ استحقاق پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ بدقسمتی سے مسلم لیگ حکومت کے خاتمے اور قومی اسمبلی کے توڑنے کا مقدمہ بھی ہمیں لڑنا پڑ رہا ہے۔ یہ صدر ضیاء الحق کا آمرانہ اقدام تھا جس کی تعریف ہرگز نہیں کی جا سکتی لیکن مسلم لیگ حکومت کے خاتمے اور اس اسمبلی کے توڑنے پر اظہارِ افسوس بھی اس لیے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس اسمبلی نے نفاذِ شریعت کی طرف ہماری پرزور تحریک، شریعت بل اور ہر ممکن انذار و تنبیہ کے باوجود بھی کوئی توجہ نہیں دی۔ ہماری مخلصانہ کوششوں کے باوجود سابقہ حکومت کے کسی بھی ذمہ دار فرد نے نفاذِ شریعت کے معاملہ میں دستِ تعاون دراز نہ کیا مگر حیرت ہے کہ قومی اور سیاسی رہنماؤں نے بھی عجیب اندازِ فکر کا اظہار کیا اور اسمبلیاں ٹوٹنے کو قوم کی فتح قرار دیا، حالانکہ یہ اسمبلیاں عوام کی نمائندہ تھیں۔ اور اس کے بعد بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے صدر ضیاء الحق کی نگران حکومت میں شمولیت کی تیاریاں شروع کر دیں اس طرح مجموعی طور پر قومی سیاست ایک بار پھر ابہام کا شکار ہو گئی ان حالات میں سابق وزیرِ اعظم کیلئے ضروری تھا کہ قوم کو ان حالات سے آگاہ کرتے جن کی وجہ سے اسمبلی توڑنا پڑی اس جنگ کے فریق دو افراد تھے جن میں ایک سابق وزیرِ اعظم ہیں اور دوسرے فریق صدرِ مملکت ہیں جنہوں نے اپنا نقطۂ نظر قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ ایسی صورتحال میں سابق وزیرِ اعظم نے اس مسئلہ کو معاہدۂ تاشقند بنا دیا اور انہوں نے ابھی تک بلی تھیلے سے نہیں نکالی۔ اس وقت سانحۂ اوجڑی کیمپ، جرنیلوں کی ترقیوں اور عزل و تبدل اور اسلحہ کی فروخت کا بھی ذکر ہو رہا ہے جس سے فوج اور قوم میں خلیج بڑھ رہی ہے لہٰذا سابق وزیرِ اعظم کا فرض بنتا ہے کہ صحیح صورتحال سے قوم کو آگاہ کریں عوام کو اعتماد میں لیں۔ باقی رہا جناب صدرِ مملکت کا ۲۹ مئی کی ملکی صورتحال پر تبصرہ جس کو مسلم لیگ حکومت کے خاتمے کی وجہ جواز قرار دیا گیا تھا، تو وہ صورتحال ابھی تک جوں کی توں برقرار ہے، امن و امان کی صورت مخدوش ہے، رشوت اور کرپشن کا آج بھی بازار گرم ہے، صدرِ مملکت کو چاہیئے کہ وہ کرپشن کے مرتکب پارلیمنٹرین کے نام منظرِ عام پر لائیں تاکہ تمام پارلیمنٹرین متاثر نہ ہوں ——— صدرِ مملکت نے اپنی نگران حکومت میں پھر سے انہی لوگوں کو وزیر بنا دیا جو ماضی میں برسرِ اقتدار رہے اور ماضی کے کردار کے اصل ذمہ دار تھے۔ کیا صدر صاحب نے "شرحِ صدر" کے تحت راتوں رات ان وزراء کے سینے چیر کر نور سے بھر دیئے ہیں کہ یہ لوگ نگران کابینہ میں آکر راہِ راست پر آگئے ہیں؟ ——— صدرِ مملکت کی جانب سے ریفرنڈم اسلام کے نام پر کرایا گیا تھا مگر اسلام نافذ نہ ہوا لہٰذا ریفرنڈم بھی کالعدم ہو گیا۔ آٹھویں ترمیمی بل کے موقع پر ہم نے چالیس ترامیم پیش کیں جن میں صدرِ مملکت کے اختیارات کو محدود کرنے کا سوال بھی اٹھایا گیا تھا لیکن سابق وزیرِ اعظم نے نواں ترمیمی بل اسمبلی میں لانے کی یقین دہانی پر یہ بل پاس کرا لیا۔ ہم نے صدرِ مملکت کو اختیارات کی یہ تلوار نہ سونپنے کا مطالبہ کیا تھا جس کا خمیازہ ۲۹ مئی کو مسلم لیگ حکومت کو بھگتنا پڑا ——— اور صدرِ مملکت نے اسمبلی توڑنے کے بعد شریعت کے نفاذ کے بجائے قوم کو سراب دکھایا ہے شریعت آرڈیننس میں اسلام کی بالادستی کا کوئی تصور نہیں اور اس کے سپریم لاء ہونے کی کوئی ضمانت نہیں، نہ لوگوں کے پاس وکیلوں کیلئے فیس کی رقوم ہوں گی اور نہ وہ عدالتوں میں رٹ پٹیشن داخل کر سکیں گے اس لیے شریعت آرڈیننس میں شریعت کے عملی نفاذ

کو قانونی پیچیدگیوں کا شکار بنا دیا گیا، نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی ـــــ ہم نے ماضی میں جونیجو حکومت کی طرف سے ایسی ناقص و نا تمام شریعت کے نفاذ کی پیشکش کو مسترد کر دیا تھا جو اب صدر ضیاء الحق نے شریعت آرڈیننس کی صورت میں نافذ کردی ہے۔ شریعت کے نفاذ کے نام پر قوم کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ شریعت بل کی ایک دفعہ بھی شریعت آرڈیننس میں شامل نہیں کی گئی ـــــ مولانا سمیع الحق کی تقریر کے دوران وزیر عدل و انصاف نے مخالفت کی اور کہا کہ معزز رکن صرف تحریکِ استحقاق کی قانونی حیثیت کے بارے میں دلائل دیں مگر مولانا سمیع الحق نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ (نوائے وقت راولپنڈی ۴ ار جولائی ۸۸ء)

جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا سمیع الحق سینیٹر کی کراچی میں پریس کانفرنس

اس وقت پوری قوم عام انتخابات کے شیڈول کی منتظر ہے، اس لیے حکومت جلد از جلد انتخابی پروگرام کا واضح اعلان کر کے ابہام اور شکوک و شبہات کی فضاء کو ختم کردے ـ ہمارا مطالبہ ہے کہ عام انتخابات آئینی مدت کے اندر جماعتی بنیادوں پر کرائے جائیں اور یہ انتخابات متناسب نمائندگی کے طریق کار کے مطابق ہوں کیونکہ الیکشن میں جاگیرداروں، وڈیرہ شاہی، غنڈہ گردی، سرمایہ داری، برادری ازم اور لسانی و قومی بنیادوں پر حصہ بندی کا اس کے سوا کوئی ذریعہ موجودہ حالات میں ممکن نہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام دینی و سیاسی جماعتوں سے ملک کی سالمیت، یکجہتی اور شریعت کی بالادستی کی بنیادوں پر انتخابی اتحاد کو وقت کا اہم تقاضا سمجھتی ہے۔ اگر ایک طرف علاقائی اور لسانی عصبیتوں، سیکولر نظریات، لادینیت کی علمبردار قوتیں اکٹھی ہو رہی ہیں تو حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے دینی اور سیاسی ہم خیال جماعتوں کا باہمی مفاہمت اور اتحاد بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہم اس سلسلہ میں جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں اور میرا دورہ کراچی بھی اس سمت کی طرف ایک عملی قدم ہے۔

ہم سیاسی جماعتوں پر رجسٹریشن کی پابندی ختم کرنے کی عدالتی کاروائی کا خیر مقدم کرتے ہیں، اس سے تمام جماعتوں کی انتخابات میں شرکت کی راہ ہموار ہوگئی ہے اور اس سے عام انتخابات پر عوام کے اعتماد میں اضافہ ہوگا۔

جمعیۃ علماء اسلام نے آئندہ انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے، چاروں صوبوں میں انتخابی تیاریوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ حال ہی میں راولپنڈی میں جمعیۃ کے جنرل کونسلوں اور مرکزی مجلس عمومی کے دو روزہ اجلاس میں چاروں صوبوں کیلئے پارلیمانی بورڈ تشکیل دیئے جا چکے ہیں اور مرکزی سطح پر بھی ایک بورڈ قائم کر دیا گیا ہے۔ اس اجلاس میں جمعیۃ کے انتخابی منشور کو آخری شکل دی گئی ہے جس کے اہم نکات آپ کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔

- شریعت آرڈیننس کے بارہ میں علماء کرام اور دینی حلقوں کو سنجیدہ اور متوازی رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہم اس آرڈیننس کی تحسین و تصویب نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی ایک ایک شق پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمارے شریعت بل کے مقاصد اس آرڈیننس سے ہرگز ہرگز پورے نہیں ہو سکتے۔ وہ ایک جامع متفقہ بل تھا، جس میں شریعت کی جامع تعریف تھی، عدالتوں کو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند بنایا گیا تھا۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ اور حکمرانوں کو کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند اور احتساب کے دائرہ میں لایا گیا تھا۔

- موجودہ آرڈیننس ایک ناقص دستاویز ہے اور اس موقف کا غماز ہے جسے سابقہ حکومت اور وزارتِ قانون اور مذہبی امور کے وزیر نے اختیار کیا تھا، نئی کابینہ میں انہی لوگوں کو دوبارہ رکھا گیا ہے اور اسی ذہنیت کے لوگوں کو آگے لایا گیا۔ انہوں نے اس آرڈیننس کے ذریعہ انہی عزائم کی تکمیل کر دی جو شریعت بل کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے پیشِ نظر تھے۔ اس آرڈیننس میں شریعت کو بالاتر قانون قرار دینے کے بجائے ایک بڑا سرچشمہ قرار دیا گیا اور ریاست کو شریعت کا پابند کرنے کے بجائے محض راہنمائی کا مقام دیا گیا۔
- عام عدالتیں تو درکنار کسی بھی بڑی سے بڑی عدالت کو کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند نہیں بنایا گیا۔ کسی قانون کا شرعی تشخص معلوم کرنے کے لیے شرعی عدالت اور ہائی کورٹ کو دو ماہ کی مدت دی گئی ہے لیکن اپیل کے فیصلے کی کوئی مدت مقرر نہیں، اور اگر کوئی قانون غیر اسلامی بھی قرار پائے تو جب تک حکومت اسمبلی کے ذریعہ متبادل قانون نہ بنا سکے اسکے تحت سماعت جاری رہے گی، یہ ایسا منزل ہفت خوان ہے جس کے سر کرنے کے لیے صدیاں درکار ہوں گی۔ ان وجوہات سے ہماری جدوجہد یہ ہے کہ شریعت آرڈیننس کی مخالفت کرنے کے بجائے ہم اسے جامع مکمل اور مؤثر بنانے کے لیے سینیٹ کے اندر اور باہر جدوجہد جاری رکھیں۔ ہم حکمرانوں کے ناقص ادھورے اقدامات اور منافقانہ وعدوں کی حقیقت سے عوام کو بتا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔
- دوسری طرف ان لادین نظریات کے حامل دانشوروں، مغرب زدہ خواتین اور لادین جماعتوں کی مذمت کرتے ہیں جو شریعت کا نام سُن کر ہی مخالفانہ ردِ عمل، جلوسوں اور مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں اشتراکی ذہنیت کے عناصر، مغرب زدہ حیا باختہ طبقے پیش پیش ہیں۔ اور ہم کسی آرڈیننس کی آڑ میں قرآن و سنت، اسلامی قوانین اور اسلامی نظام کی کھلے بندوں مخالفت کرنے والوں کے شرمناک رویہ سے اظہارِ برأت کرتے ہیں۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ نفاذِ شریعت کے لیے اقدامات مکمل ہوں اور مخالفت کرنے والوں کا مؤقف یہ ہے کہ یہاں نفاذِ شریعت کا عمل سرے سے نہ ہو۔ دونوں حلقوں کے ردِ عمل میں یہ اصولی اور نظریاتی فرق رائے عامہ کے سامنے واضح ہونا چاہیئے۔

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

فضلاء حقانیہ کی عالی ہمتیں اور مساعی سے دل کو تسلی حاصل ہو جاتی ہے

۱۳ / فروری ۸۸ء ضلع سوات اور ضلع دیر سے فضلاء حقانیہ کے وفود جمعیتہ علماء اسلام کے تنظیمی امور کے سلسلہ میں مولانا سمیع الحق اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے مشورہ کی غرض سے دارالعلوم آئے۔ ظہر کے بعد احقر ان کے ہمراہ ہولیا اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، حضرت بڑے خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا۔

آپ حضرات نے اس قدر تکلیف کی ہے خدا تعالیٰ اجر دے گا۔ اب تمہارے کام کا وقت ہے۔ قدرت کو یہی منظور ہوگا۔ اب جب کام کا وقت آیا تو عوارض اور امراض نے گھیر لیا۔

فضلاء نے عرض کیا، حضرت! آپ کا مشن ہے ہم اس کی تکمیل کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عہد کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔ آپ نے ساری عمر تحصیل علم میں گذاری۔ پھر اسلام کے احکام و قوانین احادیث کے ذخیرے اور فقہ کے جزئیات پر عبور حاصل کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور عمل تب ہو سکتا ہے جب اجتماعی طور پر شریعت کا قانون نافذ ہو اور اس کے نفاذ کے لئے اجتماعی کوششیں ہوں۔ آپ حضرات کو اللہ نے علم کی دولت سے نوازا ہے۔ اب عمل پر توجہ دینی چاہیئے۔ میں بھی آپ سے وہی کہتا ہوں جو حضرت ابن عباسؓ نے اپنے شاگردوں سے ارشاد فرمایا تھا۔

انکما عالجان فعالجاعن دینکما

تم دونوں نوجوان اور تنومند ہو اپنے دین کی طرف سے مدافعت کرو

آپ کو دیکھ کر اور آپ کی ہمتیں اور مساعی دیکھ کر میرے دل کو تسلی ہو جاتی ہے۔ آپ کا علم پر عمل ہمارے لئے نجات و فلاح کا ذریعہ ہوگا۔ دین اور اس کی تحریک و اشاعت ہم سب کی متاع مشترک ہے اور اس میں سب برابر کے شریک ہیں۔

مجھے آپ پر ناز ہے اور آخرت میں بھی آپ کو وسیلہ نجات سمجھتا ہوں۔ جب ابوبکر صدیق رضؓ بیمار ہوئے تو فرمانے لگے مجھے آخرت کے محاسبہ کی کوئی فکر نہیں کیونکہ جب اللہ کی بارگاہ میں اعمال کا مطالبہ ہوگا تو میں اپنا یہ عمل پیش کروں گا کہ میں نے دنیا سے رخصت ہونے سے قبل حضرت عمرؓ کو امیر اور خلیفہ منتخب کیا تھا مجھے بھی خدا کی بارگاہ میں پیشی کا موقع

ملے گا۔ تو میں بھی آپ حضرات کو پیش کر دوں گا کہ اے اللہ! مجھے فضلاء حقانیہ سے خدمت کی ایک نسبت ہے اور اسی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اور یقین ہے کہ باری تعالیٰ اس نسبت سے مغفرت بھی فرما دے گا۔

ترکی سے آئی ہوئی تبلیغی جماعت سے ملاقات

۲۸ رنومبر ۱۹۸۶ء۔ ترکی سے تبلیغی جماعت کے احباب کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ حضرت مدظلہ العالی نے ان کا بڑا اکرام فرمایا۔ بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا ذکر چھڑا تو ارشاد فرمایا۔

میں نے مولانا محمد الیاس کی دو دفعہ زیارت کی ہے۔ بہت نحیف اور بدن کے لحاظ سے کمزور تھے۔ لیکن فکر و تدبر کے اعتبار سے ان کا مقام بہت اونچا تھا کہ پوری دنیا میں دین پھیلایا۔ یہ ترک صاحبان کی جماعت آئی ہے یہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔

جماعت کے امیر نے عرض کیا۔ حضرت! یہ آپ کی دعاؤں، مساعی اور محنتوں کی برکت ہے۔ کہ آج ہم جیسے جاہلوں کو دین کی خدمت کا موقع ملا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ میری صحت کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ آپ سے ملاقات اور ترک بھائیوں سے ملاقات کر کے بہت مسرت ہوئی۔ ایک حکم جو آپ نے نماز کا سکھایا وہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور ایک نماز کے ذریعے ہزاروں نمازوں کے ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔ آپ کے چلنے پھرنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے دین کی اشاعت ہوتی ہے۔ سارے حالات کی تبدیلی آپ حضرات کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ یہ آپ کی برکتیں ہیں جو ہم پر پڑ رہی ہیں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا، بڑی خوشی حاصل ہوئی آپ کے دیکھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ یہ ہیں ہمارے متواضع بھائی جو اپنے کندھوں پر بستر رکھے ہوئے دین کی اشاعت و تبلیغ کے لئے گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: ترک کے علاوہ اور بھی عرب کی جماعتیں تبلیغ کے کام میں مشغول ہیں۔

امیر صاحب نے کہا۔ جی ہاں اس سال عرب اتنے زیادہ تشریف لائے تھے کہ پنڈال میں جگہ نہیں مل سکی ابھی ۸۰ کے قریب جماعتیں باہر ملکوں کے تبلیغی کام میں مصروف ہیں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا۔ آپ کی وجہ سے ہم بھی برکات حاصل کرتے ہیں اور آپ کے نمونے کو دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے حدیث میں ہے کہ مسلمان کی شکل کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ آپ کی شکل و شباہت اس حدیث کے مصداق ہے۔ اللہ سب کے درجے بلند فرمائے۔ ناراض ہرگز نہ ہونا۔

تبلیغی حضرات نے رخصت چاہی تو آپ ان کے اکرام میں کھڑا ہونا چاہتے تھے مگر جماعت والوں نے آپ کے ضعف اور علالت کے پیش نظر باصرار بٹھا دیا۔ دعا کی درخواست کی، آپ نے بالحاح دعا فرمائی۔ اور پھر مبلغین حضرات ایک ایک کر کے مصافحہ کرتے اور رخصت ہوتے رہے۔

انانیت، معرفت خداوندی میں بہت بڑا حجاب ہے

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔ علم کے لئے تواضع ضروری ہے۔ عرب کہتے ہیں من قال انا وقع فی العنا۔ جس نے انا

کہا۔ ہیں کہا وہ زحمت اور مشقت میں پڑ گیا۔ اس انا کو مٹا دینا چاہیے۔ صوفیا حضرات کا قول ہے العلم حجاب کہ علم پردہ ہے۔ علم سے مراد علم النفس ہے۔ کہ میں بھی کچھ ہوں۔ تو حضرات صوفیا کی غرض یہ ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان یہ علم النفس اور یہ انانیت بہت بڑا حجاب ہے۔ جاہل صوفیا اس سے علم ظاہر اور علم شریعت مراد لیتے ہیں۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ اپنے وجود کا بھی احساس نہ رہے تب اللہ کو پا سکو گے۔ یہ عصبیت، قبائلی قومی اور وطنی نعرے اور نفسانیت وانانیت جب تک باقی ہو تو نہ خدا مل سکتا ہے نہ مقصد میں کامیابی ہوتی ہے۔ بہرتقدیر علم بڑی عزت ہے۔ اس کے سامنے آرام و راحت، نفس پروری اور دنیا کی تمام دیگر آسائشیں ہیچ ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں بڑھ کر کون عالم ہے مگر دنیا میں ان سے بڑھ کر کون متواضع مل سکتا ہے۔

حصول علم کی خاطر صبر و ضبط اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے

ارشاد فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے بارعب پیغمبر تھے۔ ان کی عظمت اور ہیبت جلال کی وجہ سے فرعون بھی ان کی گرفتاری کی جرأت نہ کر سکا۔ جب ایک مرحلہ ان کے لئے طالب علمی کا آیا تو حضرت خضر کے پاس پہنچے تو استاد نے حضرت خضر نے بڑے وقار اور رعب سے کہا انک لن تستطیع معی صبرا تحصیل علم کے لئے تو صبر و تحمل کی ضرورت ہے، برداشت چاہیئے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلال کا مظاہرہ نہ کیا۔ بلکہ تواضع اور انکساری اختیار کی۔ اور کہا انشاء اللہ تو مجھے صبر کرنے والوں میں پائے گا۔ بڑی منت کی، سماجت کی کہ مجھے علم سکھائیے۔ اگرچہ وہ علم بھی تکوینیات کا تھا اور غیر ضروری۔ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر تھے۔ اور ضروری علم، علم شریعت تو انہیں حاصل تھا۔ اور استاذ حضرت خضر کی نبوت بھی مختلف فیہ ہے۔ مگر پھر بھی علم کی خاطر صبر و ضبط اور برداشت کا مظاہرہ فرمایا

حصول علم کو رضائے الٰہی کا ذریعہ بنا لینا چاہیئے

ارشاد فرمایا۔ حصول علم کو رضائے الٰہی کا ذریعہ بنا لینا چاہیئے۔ حضرت امام بخاری نے حدیث انما الاعمال بالنیات سے اپنی کتاب کا آغاز فرمایا ہے۔ کہ اعمال کی شرافت و فضیلت اور قبولیت کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ قیامت کے روز تین آدمی دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ ان میں ایک ایسا عالم بھی ہوگا اس نے نام و نمود اور دنیاوی وجاہت کے لئے علم حاصل کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تم نے تو عالم اور متعلم کہلانے کے لئے علم سیکھا اور وہ چیز تجھے دنیا میں مل چکی ہے۔ دوسرا وہ شہید ہے جو شہرت کے لئے جان دے دے اور تیسرا وہ سخی ہے جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتا ہو اور اللہ کی رضا مقصود نہ ہو۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر و اساطین علم نے ہمیشہ دارالعلوم حقانیہ کی سرپرستی فرمائی

۳ نومبر ۱۹۸۶ء

حسب معمول آج بھی بعد العصر مجلس شیخ الحدیث میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ قدرے تاخیر سے پہنچا تھا۔ اہل مجلس زیادہ تر علماء اور طلبہ تھے۔ دارالعلوم کے بعض اساتذہ بھی تشریف فرما تھے

احقر نے حسب ارشاد مرکز علم دارالعلوم دیوبند کا مؤقر ماہنامہ جریدہ " دارالعلوم " پیش خدمت کر دیا جس کے حالیہ شمارہ صفر ۱۴۰۷ھ میں احقر کی تصنیف " دفاع امام ابوحنیفہ " کا باب ششم بطور مضمون شائع کر دیا گیا ہے۔ بڑے خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کے علمی، تدریسی اور تبلیغی مساعی اور ان کے کارناموں اور ترقی سے خوشی ہوتی ہے۔

دفاع امام ابوحنیفہ، کے بعض مقامات سنے۔ ابواب کی سرخیاں سنانے کی خواہش ظاہر فرمائی تو احقر نے وہ بھی سنا دیئے کتاب ہاتھ میں لی، دیر تک اسے تھامے رہے، طباعت اور ظاہری حسن کی تعریف کی، ارشاد فرمایا۔

مضامین کی ثقاہت، ضرورت واہمیت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ " دارالعلوم " دیوبند نے اس کے مضامین کو شائع کر دیا ہے ماشاءاللہ، بہت خوب ہے خدا تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے۔ ملحدین، زنادقہ اور غالی غیر مقلدین کی رد کے لئے یہ اچھا مسودہ تیار ہو گیا ہے۔ جدید انداز کی اس تحریر میں کافی معلومات آ گئے ہیں۔ سوانح اور کردار پر بھی خوب لکھا گیا ہے۔ واقعۃً اس وقت اس کتاب کی ضرورت ہے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے تو وہ یہ کہ باہر سے کافی پیسہ اور سرمایہ برصغیر بالخصوص پاکستان میں اس لئے صرف کیا جا رہا ہے کہ حنفیت کو دفن کر دیا جائے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ کی عظمت قلوب سے نکال دی جائے۔ لاکھوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ الحمدللہ، کہ مؤتمر المصنفین نے بروقت دفاع ابوحنیفہ شائع کر کے ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی ہے اللہ پاک قبولیت دے۔ یہ بھی ہمارا کوئی کمال نہیں اللہ کا احسان ہے۔

مرکز علم دارالعلوم دیوبند کے اکابر و اساطین علم ہمیشہ سے دارالعلوم حقانیہ کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتے آئے ہیں۔ اب کی بار " دفاع امام ابوحنیفہ " کے ایک باب اور اس کے مضمون کی اشاعت سے بھی ہمارے حقانی فضلاء کے حوصلے بلند ہوئے ہیں۔ اللہ کریم اسے جزائے خیر سے نوازے۔

جناب مولانا سمیع الحق، مدیر الحق۔

مناسک حج، ادب واحترام اور عظمت اسلام کے مظاہر ہیں

احترام مشائخ، اساتذہ کی محبت، علمی و دینی اور روحانی ترقی کی ضمانت

آج سے کوئی آٹھ دس سال قبل استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے خطبۂ جمعہ کی محفوظ کیسٹ مل گئی۔ جس پر سن تو درج نہیں البتہ ذی الحجہ اور دارالعلوم کے تعلیمی سال کے آغاز۔ اور سامعین علماء اور طلبۂ دین کی مناسبت سے تقریر جو مناسک حج، شعائر اسلام کی عظمت واحترام، مشائخ اساتذہ کی اطاعت و محبت اور اپنے اکابر اور دین اسلام سے نسبت کی اہمیت، عملی زندگی میں ان عظیم نسبتوں کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھنے کے برکات و ثمرات اور کئی ایک ذیلی نافع عنوانات اور افادات پر مشتمل ہے اس کی نافعیت کے پیش نظر ٹیپ ریکارڈر سے من وعن نقل کر کے بغرض افادۂ عام نذر قارئین ہے

(عبدالقیوم حقانی)

خطبۂ مسنونہ کے بعد، قال اللہ تبارک و تعالیٰ

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۔

علم اور عمل کا مدار ادب واحترام پر ہے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایک ضروری عبادت کی ہدایت فرماتے ہیں۔ جو علم اور عمل بلکہ عبادت کا دارومدار ہے۔ اور اس کی تعبیر لفظ ادب سے کی جاتی ہے۔ گویا ادب اور تادب کا دین کے ساتھ ایک بنیادی اور وضعی تعلق ہے۔ جس شخص میں جتنا ہی ادب اور احترام ہوگا وہ دین کے قریب ہے اور جو کوئی جتنا ہی بے ادب ہو اور اس میں گستاخی، بے جا جسارت، بے احترامی ہے۔ وہ اتنا ہی دین سے دور ہے۔ تو اگر علم حاصل ہوتا ہے اس کے لیے بھی ادب ضروری ہے اور اگر عمل حاصل ہوتا ہے تو اس کی مقبولیت کا دارومدار ادب پر ہے۔ ادب کا معنی کسی کی تعظیم کرنا، احترام کرنا، کسی کی بزرگی ماننا اور اس کی قدر کرنا ہے۔ کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے جو خوبی رکھی ہے

خواہ وہ تکوینی خوبی ہے یا تشریعی خوبی ہے۔ لیکن جس کسی میں اللہ تعالیٰ کی رکھی ہوئی خوبیاں ہیں تم اس کا احترام کرو گے۔ عزت کرو گے، قدر کرو گے اسی کو ادب کہتے ہیں۔

احترام اور ادب میں ترتیب و درجات

سب سے بڑھ کر اور پہلے ادب، احترام اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام عظمتوں، تمام عزتوں، تمام کمالات، تمام خوبیوں اور تمام محاسن کا سرچشمہ ہیں۔ تو سب سے بڑھ کر عظمت، ادب اللہ کا کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس دنیا اور ما فیہا میں تواضع اور عاجزی اور عبودیت انسان بالخصوص مسلمان پر اصلاً اللہ تعالیٰ کے حضور لازمی ہے۔ دنیا میں دیگر اشیاء کا احترام بھی اللہ کی عظمت کی وجہ سے ہے تو آدمی اگر اللہ تعالیٰ کو رب العلمین مانتا ہے۔ اس کو ذوالجلال والاکرام بھی کہتا ہے، خالق اور مالک بھی کہتا ہے۔ لیکن اللہ کی عظمت نہیں کرتا۔ اور اس کے دل میں اللہ کی تعظیم نہیں۔ تو اس کا بالکل یہ تصور بھی غلط ہے کہ میں مسلمان ہوں

شعائر اللہ، عظمت و احترام

اب اللہ کے بعد جن اشیاء کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے خواہ وہ نسبت بعید ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا بھی ادب اور احترام کیا جائے گا۔ جو اشیاء اللہ تعالیٰ کو منسوب ہیں اور اس کی معرفت کا نشان بن گئے ہوں ان کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ شعائر شعور سے ہے۔ شعور معرفت اور علامۃ کو کہتے ہیں تو گویا دنیا میں بہت سے اشیاء ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کی نشانی بنایا ہے ان کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء شعائر اللہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو پیغمبروں کے ذریعے پہنچانتے ہیں۔ پیغمبر اللہ کی معرفت کی نشانی ہیں۔ بیت اللہ اور مساجد شعائر اللہ ہیں۔ قرآن، سنت اور اسلامی علوم اللہ کی معرفت کے ذرائع ہیں۔ ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔

صفا اور مروہ ایک عظیم تاریخی یادگار ہیں

قرآن مجید میں آیت کریمہ ہے:۔ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ۔ حجاج کرام جب حج ادا کرتے ہیں تو صفا اور مروہ دو بے جان خشک پہاڑ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ یہ میری معرفت کے ذرائع ہیں۔ میرے بندے ان پہاڑوں پر اپنی قربانی و عبودیت کا بے مثال مظاہرہ کر چکے ہیں۔ مروہ پر حضرت ابراہیمؑ نے قربانی پیش کی تھی۔ اور صفا و مروہ کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری پاک دامن اللہ کی نیک بندی بی بی ہاجرہ جس کو اپنے معصوم بچے کے ساتھ جب اس کے باپ نے چھوڑ دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے ایک بیت تعمیر کرانے کے لئے بے آب و گیاہ، خشک اور غیر آباد جنگل میں ان کو اللہ کے حکم سے چھوڑا تھا۔ تو بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ اور حضرت ہاجرہ صفا و مروہ کے درمیان بھاگ دوڑ کر رہی تھی۔ کبھی صفا پر چڑھتی ہے کبھی مروہ پر چڑھتی ہے تاکہ کوئی نظر آئے تو وہ اس کو آواز دے اور کہیں سے پانی کی تلاش ہو، یہ تگ و دو، یہ بھاگ دوڑ، اللہ کی بندگی اور رضامندی کے لئے ہے۔ یہ سب قربانی اور سعی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تھی۔ اور خداوند قدوس کے گھر کی آبادی کے لئے تھا۔ خدا نے اس بھاگ دوڑ کو، اس سعی و سنت کو قیامت تک محفوظ رکھا۔ دنیا میں تو اور بھی کئی پہاڑیاں اور کئی چوٹیاں ہیں۔ کوہ ہمالیہ اور کے ٹو (K - 2) کی چوٹیاں بھی ہیں۔ لیکن کوئی

بیتا بھی نہیں کرتا اور نہ ان کا ذکر کرتا ہے اور نہ کوئی ان کو اہمیت دیتا ہے۔ لیکن وہ صفا و مروہ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے شعائر اور اپنی معرفت کی نشانی قرار دی ہیں۔ اب ان کا ادب و احترام کریں گے ان کی عظمت کو ملحوظ رکھیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو شعائر اللہ سے موسوم کیا۔ اور حاجیوں کو کہا کہ قیامت تک جب آپ فریضہ حج ادا کرو گے

محبوب سے منسوب اشیاء بھی محبوب ہوتی ہیں

تو صفا و مروہ کے مابین اللہ کی نیک بندی بی بی ہاجرہ کی نقل کرو گے اور بھاگ دوڑ کرو گے سعی کرو گے۔ اس لئے سات مرتبہ حاجی صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک چکر لگاتا ہے اور سعی کرتا ہے۔ اب یہ نقل و حرکت یہ سعی دین کے شعائر سے ہے نہ تو انسان ہے نہ کتاب ہے لیکن ہم پر اس کا ادب لازمی ہو گیا۔ کیونکہ اس کی نسبت اللہ کے دین سے ہو گئی۔

حجر اسود جو ایک بے جان پتھر ہے لیکن اس کی نسبت اللہ کے دین سے ہے تو اس کا احترام لازمی ہے ادب لازمی ہے۔ جب تیرا اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور تو اللہ کی بندگی کا دعوے دار بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس سے منسوب اشیاء کی قدر کرو گے۔ دنیا میں بھی آپ عاشقوں کا حال دیکھتے ہیں کہ ان کے کیسے کیسے واقعات پیش آتے ہیں۔

لیلیٰ کی گلی کا کتا ہے تو مجنوں اس کو گود میں بٹھاتا ہے اور اس کے ساتھ باتیں کرتا ہے اس کو چومتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں ارے مجنوں یہ تو کتا ہے۔ مجنوں کہتا ہے یہ لیلیٰ کی گلی کا کتا ہے۔ تو گویا اس کی نسبت محبوب سے ہوئی۔

نبیؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت

اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سب سے بڑھ کر اللہ کی عظمت کی نشانی اور شعائر اللہ سے ہیں۔ اب ایک ایک قدم پر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور احترام کرو گے تو کامیاب ہو گے۔

معاشرتی آداب

حکم ہوتا ہے کہ ان کو اس طرح آواز نہ دینا اور اس طرح نہ بلانا جس طرح کہ ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ "ارے فلاں" گلی میں ان کو تنگ نہیں کرو گے۔ اونچی آواز سے نہیں بولو گے۔ اور نہ اس کا بے وقت دروازہ کھٹکھٹانا اس کا یہ آرام کا وقت ہو گا۔ عبادت کا وقت ہو گا۔ یا اور کچھ مشاغل ہوں گے بلکہ تم نے ہر حال میں ان کا لحاظ کرنا ہو گا پس تمہیں دروازے میں بیٹھنا ہو گا۔ جب آپ باہر تشریف لے آئیں تمہیں تب ان سے بات عرض کرنی ہو گی۔ بے وجہ اور بغیر ضرورت حضور پاکؐ کے اوقات میں خلل نہ ڈالنا۔ ہاں جب وہاں تم حاضری دو اور بات پوری ہو جائے تب واپس اپنے گھر لوٹ جانے کے لئے اٹھیں۔ اور اگر پیغمبر نے آپ کو دعوت دی تو جب تم دعوت یعنی کھانا کھائیں۔ تو حضور پاکؐ آپ لوگوں طرح فارغ نہیں کہ آپ کے ساتھ وقت گذاریں۔ ہاں تمہارا دل ضرور چاہے گا کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ غرض یہ کہ اللہ نے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں قرآن میں ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیغمبر کی عظمت کا اور احترام کا اتنا زیادہ حکم فرمایا ہے۔ کہ تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی پیغمبر کا لحاظ کرو گے۔ حتیٰ کہ پیغمبر کی مجلس میں اپنی آواز بھی اونچی نہیں کرو گے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ اے مومنو! تم پیغمبر کی مجلس میں نبی کریمؐ کی

پر اپنی آواز اونچی نہ کرنا۔ اپنی آواز ان کی آواز سے پست رکھنا۔ اور عام لوگوں کی طرح نعرے ان کی مجلس میں نہ لگانا۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے کجهر بعضکم علی بعض اور پھر فرماتا ہے ولا تجهروا له بالقول۔ جیسا کہ آپس میں یا دوست اور رشتہ دار بے تکلف نعرے لگا کر یا اونچی آواز سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ اس طرح باتیں پیغمبر کے ساتھ نہ کرنا۔

بے ادبی حبط اعمال کا ذریعہ ہے | اور اگر کسی نے پیغمبرؐ کے سامنے زور سے باتیں کیں اور آداب کو ملحوظ نہ رکھا تو فرمان ہے ان تحبط اعمالکم تو شاید آپ کے تمام اعمال حبط اور ضائع ہو جائیں۔

خاصیت اعمال | وانتم لا تشعرون اور تم جانتے بھی نہ ہو گے کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا ہے کہ نہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کی خاصیت ضرور بالضرور ظاہر ہوتی ہے۔ تم یہ کہو گے کہ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور اس حالت میں "تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ آپ حضرات دن رات قرآن و سنت پڑھتے ہیں اور اس کو سیکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں اور بڑے بڑے نیک اعمال کرتے ہیں لیکن غفلت سے کچھ بے ادبی ہو گئی گستاخی ہو گئی، بے ادبی سے وہ سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ پیغمبرؐ سے معمول سی آواز اونچا کرنے کی خاصیت بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ان تحبط اعمالکم یہ خدا تعالیٰ کا ایک قانون ہے آدمی بہت بڑے بڑے اعمال کرتے ہیں لیکن اس سے ایک ایسا عمل ہو جاتا ہے جس کی خاصیت یہ ہوتی ہے۔ جس سے تمام اعمال بے قدر ہو جاتے ہیں بے وزن ہو جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا اور بعض نیکیاں ایسی قوی ہوتی ہیں کہ انسان کو ان کا علم بھی نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ نیکیاں کفارہ سیئات بن جاتی ہیں۔ خواہ وہ گناہ ہزار ہا کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی اللہ کا ایک قانون ہے اور دوسرا قانون حبط اعمال یعنی تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ تو بے ادبی کا عمل ایسا عمل ہے کہ آپ کی تمام قربانیوں پہ پانی پھیر دے گی۔ غرض یہ کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ساتھ زور سے باتیں کرنا ایسی بے ادبی ہے جس سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو اندیشہ حبط عمل | اب جب حضرت عمرؓ جیسے صحابہ کرام نے یہ آیت سنی تو سخت پریشان ہوئے حضرت عمرؓ کی آواز طبعاً قدرے اونچی تھی۔ آپ جہوری الصوت تھے۔ پست آواز سے بات نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس آیت کے نزول کے بعد وہ ہر بات سخت کوشش کے بعد اتنی پست آواز سے کرتے تھے کہ لوگ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس کرتے خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں ان کی آواز بہت زیادہ پست ہو جایا کرتی تھی۔ اور اس سے سخت زحمت بھی پیش آتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو دوران گفتگو اندیشہ ہوتا کہ کہیں حبط عمل کا ذریعہ نہ ہو جائے۔ یہ ہمارے عظیم پیغمبر کے عظیم مقام کی وجہ سے اس کے آداب کا اجمالی تذکرہ ہے۔

کلام الٰہی کی عظمت، احترام اور آداب | اللہ کا کلام آپ کے سامنے ہے کلام اللہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی ذات تو نہیں لیکن جب

اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس کو کلام اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے تو اس کی نسبت کی وجہ سے ہم پر اس کا احترام اور ادب لازمی ہوا۔ موجودہ قرآن جو کاغذوں پر لکھا ہوا ہے۔ یہ کاغذ اور گتے اور چیز ہیں۔ یہ کلام اللہ نہیں اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ کلام اللہ نہیں بلکہ وہ نقوش ہیں۔ یہ نقوش اس کلام پر دلالت کرتے ہیں۔ جو رب ذوالجلال کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تو کاغذ، گتے اور نقوش تو کلام اللہ نہیں۔ لیکن چونکہ ان کاغذات اور نقوش کی کلام اللہ سے نسبت ہے۔ اس طرح جلد اور کاغذ کا بھی اسی طرح احترام کیا جائے گا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا یمسہ الا المطہرون یعنی اس کا ادب یہ ہے کہ بے وضو شخص اس کو نہیں چھو سکے گا۔ تو ادب کا یہ تقاضا ہوا کہ بلا وضو اس کے کاغذ اور اس کے غلاف کو جو ان کاغذوں کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اور اس کے نقوش کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ جلد، کاغذ اور نقش کو بلا وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ لیکن جب جنابت لاحق ہو تو الحمد للہ رب العلمین زبانی بھی نہیں پڑھ سکتے۔ تو بے ادبی جائز نہیں۔ اور اگر بے ادبی کی اور یہ کہا کہ یہ تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ تو اس کے ساتھ اعمال حبط ہو گئے۔ ایمان اور دین بھی ضائع ہوا۔

بیت اللہ کی عظمت اور ادب و احترام

دنیا میں بہت سارے کمرے ہیں، گھر ہیں۔ لیکن ان کا احترام کسی پر کبھی لازمی نہیں۔ وہاں پیشاب کی ممانعت نہیں۔ تھوکنے کی ممانعت نہیں۔ جوتیوں کے ساتھ پھرنے کی ممانعت نہیں۔ لیکن ایک کمرہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا بیت قرار دیا ہے۔ جو کہ بیت اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کمرے میں رہائش پذیر نہیں۔ کیونکہ یہ کمرہ تو پتھر، ریت، مٹی اور سیمنٹ سے بنا ہے۔ ایک جگہ ہے لیکن اللہ نے اسے بیت اللہ کہا اور اپنی طرف منسوب کیا۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ اسی خانہ کعبہ کی عظمت و احترام تمام انسانوں پر لازمی ہے اب اس کا قدر کرو گے۔ طواف کرو گے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات کا مرکز بن گیا۔ اور جب خدا تعالیٰ نے کہا کہ یہ میرا گھر ہے بس اتنا کافی ہے تو اللہ کی طرح اس گھر کی عظمت اور احترام بھی کیا جائے گا۔ عام مساجد میں یہ بیت نہیں۔ حرم بیت ہے اس لئے اس کی حیثیت بدل گئی اور اس مسجد کو مسجد حرام کہا گیا۔ اب یہ مسجد بھی عظمت اور احترام کی مسجد ہے۔ کیونکہ اس کو بیت اللہ کہا گیا ہے۔ اب جس مسجد میں ہم بیٹھے ہیں اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنے سے صرف اسی نماز کا ایک ثواب پہنچتا ہے اور جس مسجد میں بیت اللہ ہے اگر اس میں ایک فرض نماز ادا کی گئی تو اس کے بدلے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ تو یہ مسجد کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور مسجد کی عظمت بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔ اب اگر یہ مسجد حرام اور بیت اللہ اگر کسی دوسرے شہر میں ہوتا تو اسی شہر کا احترام کیا جاتا۔ لیکن وہ مسجد اور بیت مکہ مکرمہ میں ہے۔ اب مکہ معظمہ کی تمام حیثیت تبدیل ہو گئی۔ شان بدل گئی۔ کئی نسبتوں اور وسائط سے یہ شہر اللہ کو منسوب ہوا۔

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ببکۃ مبارکاً کہ یہ برکتوں والا شہر ہے۔ دیگر شہروں کے جائز بھی وہاں ناجائز ہوتے ہیں وہاں پر گھاس کاٹنا بھی ممنوع۔ مچھر، چیونٹی کا قتل کرنا بھی ممنوع۔ شکار کھیلنا ممنوع۔ دشمن پر ہاتھ اٹھانا بھی ممنوع ہے

اگر کوئی آپ کا قاتل ہے۔ اس کو بھی وہاں پر قتل نہ کرو گے۔ وہاں کا سارا علاقہ حرم ہوا۔ حرم کے معنی عظمت والا اور حرمت والا کے ہوتے ہیں۔

حجاز مکرم عظمت و احترام چونکہ مکہ مکرمہ حجاز میں ہے تو تمام حجاز اور عرب کی حیثیت تبدیل اور ذی شان ہوگئی۔ روسی، امریکی، چینی، یورپی، ہندوستانی اور پاکستانی کا وہ ادب آپ پر لازمی نہیں۔ جو آپ پر اہل حجاز کا ادب لازم ہے

جزیرۃ العرب کا مقام و احترام عرب کی حیثیت اسی نسبت کی وجہ سے جداگانہ ہوگئی۔ حب العرب من الایمان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عربوں کی حرمت و عظمت بھی ایمان سے ہے کہ جس کو عربوں سے محبت نہیں اس کا ایمان کمزور ہے۔ پھر فرمایا احب العرب بثلاث۔ حضورؐ نے فرمایا تین وجوہات سے عربوں سے محبت رکھو۔ میں عربی ہوں لانی عربی۔ میری آپ لوگوں کے ساتھ قوی نسبت ہے اور پھر میری نسبت اللہ سے ہے تو جب میں عربی ہوں تو میرے سارے عرب سے محبت کرو گے والقرآن عربی آپ کے اللہ کا کلام قرآن مجید بھی عربی ہے۔ اس وجہ سے آپ عربی سے محبت رکھیں۔ ولسان اهل الجنۃ عربی اور جنت میں اہل الجنۃ کی زبان عربی ہوگی۔ اب سارا جزیرۃ العرب محترم ہوا۔ ہم ان میں ہر قسم کی خرابیاں دیکھیں گے۔ ہزار ہا نقائص دیکھیں گے۔ ہم اس میں بھی مخالفت کریں گے۔ کہ یہ کام ٹھیک نہیں جو وہ کرتے ہیں لیکن جس کسی سے اس کی بے حرمتی۔ استہزاء، بے ادبی تحقیر ہوئی تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کے ایمان میں کمزوری ہے۔

احترام اکابر یہ نسبتوں ہی کی وجہ سے بڑے زمانے کے لوگوں کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے اب بے ادبی کا زمانہ آیا ہے پرانے زمانے میں بزرگوں اور مشائخ کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا۔ کہ یہ فلاں کی اولاد سے ہے۔ فلاں خاندان کا ہے فلاں قبیلہ کا ہے اور کہا جاتا تھا کہ یہ صاحب زادہ ہے یہ مخدوم زادہ ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی اور سادات کا احترام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حجۃ الاسلام بانی دیوبند کے پاس اگر چرسی، بھنگی بھی آتا۔ یا چھوٹا معصوم لڑکا بھی آتا لیکن جب وہ سید ہوتا تو حضرت نانوتویؒ فوراً چارپائی سے اٹھ کھڑے ہوتے اور اس کو سرہانے بٹھلاتے اور فرمایا کرتے کہ لوگ تو چند آدمیوں کے مخدوم زادہ ہوتے ہیں اور یہ سید تو تمام عالم کے مخدوم زادہ ہیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمۃ بضعۃ منی حضرت فاطمہ میرا ٹکڑا ہے فمن اذاها فقد اذانی جس کسی نے حضرت فاطمہ کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اب مطلب یہ ہے کہ یہ اس لئے کہ وہ ایک صحابیہ ہیں۔ ہاں صحابیہ کی شرافت بھی اسی کو حاصل ہے۔ صحابیت میں تو سب اس کے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ اب مجھے منسوب ہے۔ یہ میری اولاد ہے۔ اب جس نے اسے تکلیف پہنچائی۔ اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ آپ لوگوں کے سامنے ہمارے اکابرین علماء دیوبند کے عجیب عجیب واقعات ذکر ہوتے رہتے ہیں۔ ہم میں تو خدمت و طاعت

کے جذبات مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ ان حضرات پر عجیب کمالات، فیوضات، برکات، اور رحمتیں برستی تھیں۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے پاس ادب تھا اور انہوں نے ادب کا لحاظ رکھا تھا۔

قاسم نانوتوی رح اور شیخ زادہ کا احترام

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سفر پر جا رہے تھے راستہ میں مراد آباد آیا۔ وہاں آپ نے کچھ لمحے گذارے۔ پروگرام یہ تھا کہ آج واپس جاؤں گا۔ آگے سفر طویل تھا وہاں کے تمام علماء کا یہ شوق تھا کہ مولانا آئے ہوئے ہیں بہتر ہوگا کہ کچھ زیادہ عرصہ یہاں گذاریں۔ تمام علماء کرام جمع ہوئے اور ان کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ ٹھہر جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں قطعاً نہیں ٹھہر سکتا۔ مجھے آگے سفر درپیش ہے پھر انہوں نے بہت بڑے بڑے خان، ملک، سیٹھ اور نواب جمع کیے۔ انہوں نے بہت منت سماجت کی۔ مگر حضرت نانوتوی نے فرمایا۔ مجھے آگے ضرور چلنا ہے۔ میں نے بڑے بڑے علماء کے مجمع کا نہ مانا تو میں خان۔ نواب اور ملک وغیرہ کی کیسے مان لوں۔ اس پر نہ راضی ہوئے اور فرمایا کہ شام کے وقت چلوں گا۔ وہ لوگ بہت ہوشیار تھے کہنے لگے کہ اس کا دوسرا کوئی حل نہیں۔ فلاں دفتر میں ایک ملازم ہے اگرچہ اس کی داڑھی نہیں۔ ایک ان پڑھ آدمی اور جاہل ہے۔ فلاں دفتر میں ملازمت کرتا ہے ان کو بلانا چاہیے۔

وہی لڑکا آیا۔ مولانا موصوف بڑے احترام سے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی مسند پر ان کو بٹھایا اور پاؤں کی طرف آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ فرمانے لگے آپ کیسے تشریف لائے۔ لڑکے نے جواب دیا میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ چلیں نہیں یہاں ٹھہر جائیں۔ فرمانے لگے۔ حضور جب حکم ہے تو میں ٹھہر جاؤں گا۔

اب مولانا ٹھہر گئے اور جب تک اس لڑکے نے یہ نہ کہا کہ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں حضرت نانوتوی نے جانے کا نام نہ لیا۔ لوگ پریشان ہیں کہ ہفتہ گذر گیا۔ مولانا سخت مجبور ہیں۔ اب وہ کچھ نہیں کہتا۔ لڑکے کو اب پھر لے آئیں گے کہ مولانا کو تکلیف بھی ہے۔ ہم نے مولانا کے سارے پروگراموں کو خراب کیا۔ ہاں وہاں کے لوگوں نے مزے کئے۔ جلسے کئے، فیوضات، برکات حاصل کیں۔

لڑکا آیا گیا۔ بولا۔ جی حضور! اب آپ جا سکتے ہیں۔

قاسم نانوتوی نے فرمایا، اچھا حضور! اور پھر اپنا زادِ راہ لے کر روانہ ہوئے۔

اب وہ لڑکا کون ہے؟ وہ ہمارے پیر، سب کے مرشد۔ سارے سلسلہ کا شیخ۔ تصوّف اور مشائخ دیوبند کے سیّد الطائفہ یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر و مرشد شیخ نور محمد جھنجانوی کے نواسے تھے۔ ہاں جب پتہ چلا کہ یہ لڑکا اس کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر شیخ نور محمد جھنجانوی کے نواسے ہیں، اس کے حضور میں حضرت نانوتوی چون و چرا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسے اپنے پیر کے واسطے سے اس نسبت کی قدر کرنی ہے۔ یہ ہمارے جید عالم اور امام الکبیر کا حال ہے۔ ان کے متعلق عجیب عجیب واقعات ہیں۔ ہاں یہ مقامات ان نسبتوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

ایک بھنگن کا قول شاہ ابو سعید کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا!

اس کے علاوہ اس سے پہلے ہمارے ایک بہت بڑے عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی گذرے ہیں۔ گنگوہ شریف میں ہمارے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے سارے خاندان کے بڑے معزز اور گنگوہ شریف سب سے پہلے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں۔ اور اس شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے نواسا شاہ ابو سعید ہیں۔ ہمارے سلسلہ چشتیہ میں ان کا ذکر آتا ہے۔ اب شیخ عبدالقدوس کے یہ نواسے ابتدا میں بالکل سبق نہیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ اوائل میں یہ آزاد تھے۔ نماز روزہ کچھ بھی نہ تھا۔ ایک آزاد منش انسان تھے۔ نوجوانی میں داڑھی کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے تھے۔ ہر وقت اچھے اچھے کپڑے پہنتے تھے۔ گھوڑ سواری کرتے تھے۔ اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ شاہ ابو سعید، شیخ عبدالقدوس کے نواسے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے مرید ہیں۔ شیخ کی وجہ سے ان کا بہت اکرام اور قدر کرتے تھے۔ بہر حال وہ ایک مرتبہ گنگوہ گئے۔ راستہ میں جا رہے تھے کہ ایک بھنگن عورت کے سر پر گندگی سے بھری ہوئی ٹوکری تھی اور اس نے ٹوکری کو دور سے گندگی کے ڈھیر پر پھینکا۔ اور اس کی گرد و غبار اڑ کر شاہ ابو سعید پر جا لگی۔ شاہ ابو سعید بہت نازنین تھے۔ شہزادوں کی طرح مزاج تھا۔ گرد و غبار لگنے سے انہوں نے بھنگن بڑھی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا۔

اے بوڑھی! تو نے خیال تک نہ کیا۔ میرے سارے کپڑے گندے کر دئیے کچھ طریقہ سے گندگی پھینکتی۔

بوڑھی عورت جو کہ شیخ عبدالقدوس کے زمانے کی عورت تھی نے جواب دیا اور کہا۔

اے فلاں! کس چیز کی وجہ سے تم غرور، نشہ میں ہو اور اتنا غصہ کس وجہ سے کر رہے ہو۔ تیرے پاس تو اپنے دادا کی میراث بھی نہیں ہے۔ پہلے اپنے آپ میں اپنے دادا کے اوصاف اور میراث کی صلاحیت پیدا کرو۔ پھر غصہ کرنا چاہئے بس اس بات کے سننے سے شاہ ابو سعید کے دل پہ انقلابی اثر ہوا۔ اور سیدھے واپس گھر لوٹے۔ اور اپنی والدہ سے عرض کیا۔ میری تو اب آنکھ کھلی ہے پہلے تو میں ویسا ہی دھوکہ اور نشہ میں تھا۔ میں اب اللہ کا دین سیکھنے کے لئے گھر چھوڑ کر جاتا ہوں۔ جب تک اپنے دادا کی میراث حاصل نہ کر لوں واپس نہ لوٹوں گا۔

یہ طلبہ کے لئے عبرت اور نصیحت کا عجیب واقعہ ہے۔ کہ علم ان اشیاء سے حاصل ہوتا ہے۔ کہ اکابرین کے ساتھ تعلق پیدا ہو۔ پھر یہ تحقیق شروع کی کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا اس وقت سب سے مقرب خلیفہ کون ہے اور کہاں ہے۔ والدہ نے کہا کہ آپ کے دادا کا سب سے بڑا خلیفہ بلخ میں ہے۔ وہاں شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو بہت بڑے عالم تھے۔ اب وہ ہندوستان سے بلخ روانہ ہوئے۔ اس وقت موٹریں۔ ریل گاڑیاں وغیرہ نہیں تھیں۔ کبھی پیادہ، کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر بالآخر بلخ پہنچے۔ وہاں شیخ نظام الدین بلخی کو پتہ چلا کہ میرے شیخ کے نواسہ تشریف لا رہے ہیں۔ اور اس کو یہ خوب پتہ ہے کہ وہ جاہل ہے ان پڑھ ہے۔ کوئی عمل، کمال اس کے پاس نہیں ہے جس طرح نواب زادے اور پیر زادے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ نظام الدین کا بھی تمام افغانستان میں چرچا تھا۔ لاکھوں مرید تھے۔ دنیا کے بادشاہ

ان کے پیروں کو بوسہ دینا فخر سمجھتے تھے۔

شیخ نظام الدین نے اپنے شیخ کے نواسے کا شاندار استقبال کیا

اس طرح ہرات ، ابدال تک ان کا فیض عام تھا۔ شیخ نظام الدین کو پتہ چلا کہ میرے پیر کا نواسہ آرہا ہے۔ وہ کئی دنوں تک اس کے استقبال کے لئے نکلتے رہے کہ کب پہنچیں گے۔ جب پتہ چلا کہ شاہ ابوسعید پہنچنے والے ہیں تو تمام علماء، بزرگانِ دین اور مریدوں کے ساتھ شیخ نظام الدین بلخ سے باہر نکلے۔ بادشاہ وقت جو شیخ نظام الدین کا بڑا معتقد تھا، کو پتہ چلا تو وہ بھی استقبال کے لئے آنکلا۔ پولیس اور فوج سب استقبال کے لئے باہر نکلے۔ کیونکہ پیر صاحب کا نواسہ آنے والا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا بزرگ ہوگا۔ بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں شاہ ابوسعید کی سواری ظاہر ہوئی۔ نوجوان کی شکل و صورت بھی علماء اور مشائخ کی نہ تھی۔ مگر دیکھا گیا کہ شیخ نظام الدین اس کے پیروں کو بوسہ دے رہے ہیں۔ شاہ ابوسعید نے گھوڑے سے اترنا چاہا مگر شیخ کہنے لگے ، نہیں گھوڑے سے ہرگز نہ اترنا۔ ایسے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر چلو گے۔ تم تو میرے استاد اور پیر کے نواسے اور اولاد ہو۔ تجھے میرے پیر اور میرے شیخ سے نسبت اور تعلق ہے۔

شاہ ابوسعید گھوڑے پر سوار ہے اور افغانستان کا سب سے بڑا بزرگ شیخ نظام الدین اس کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہا ہے۔ بادشاہ وقت نے دیکھا کہ میرے پیر نے اس کے قدموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ تو دوسری طرف سے شاہ بلخ آیا۔ اور اس نے بھی شاہ ابوسعید کا وہی اکرام کیا۔ تو بادشاہ اور شیخ نظام آرہے ہیں۔ فوج بھی ساتھ ہے۔ اس طرح شاہ ابوسعید کو عظمت اور شان و شوکت کے ساتھ لے آیا گیا اور اپنی جگہ پر اتارا۔ اور شیخ نظام الدین نے اپنی مسند پر اسے بٹھایا اور شیخ نظام الدین دوزانو ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ تین دن تک متواتر اس کی خدمت کرتے رہے۔ دعوتیں کرتے رہے یہ بات بھی بے ادبی محسوس کرتے تھے کہ پتہ کریں کہ کیسے آئے ہو۔ تین دن گذر گئے۔ پھر کہا مخدوم زادہ! آپ نے اتنی تکلیف اور زحمت کیوں کی ، اتنے دور سے اتنا لمبا سفر کیا۔ کیا مقصد تھا۔ اتنی بڑی بات ہوتی تو مجھے خبر دے دیتے میں بلخ سے ہندوستان آجاتا۔

جب شاہ ابوسعید نے اپنا مدعا ظاہر کر دیا

شاہ ابوسعید نے اس وقت اپنا مدعا ظاہر کیا کہ مجھے اپنے دادا کی میراث نہیں پہنچی۔ میں محروم رہ گیا ہوں۔ اب میں ہندوستان سے اپنے دادا کی میراث حاصل کرنے آیا ہوں اور مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ میراث آپ کے ساتھ ہے۔ آپ سے ہی مجھے وہ میراث حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ میں آپ سے اللہ کا نام ، اس کے دین کا کام اور اس کی معرفت کے حصول کی غرض سے طالب بن کر حاضر ہوا ہوں۔

طالب علمی کے تقاضے

شیخ نظام الدین بلخی کو جب یہ حقیقت حال معلوم ہوئی تو فرمایا:

اچھا ، جب آپ اتنے بڑے کام کرنے کے لئے آئے ہیں تو پہلے آپ کو ایک سال مشقت برداشت کرنا ہوگی۔ بس ایک سال کے لئے آپ کو مسجد کے سامنے لوگوں کے لئے پیشاب کے ڈھیلے جمع کرنے ہوں گے۔ آپ کی ڈیوٹی یہی ہے

حضرت بلخی نے ایک سال کے لئے شاہ ابوسعید کو امتحان میں ڈال دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حقیقت میں طالب علم ہے

طلب صادق ہے۔ کیونکہ طالب علمی تو دشوار کام ہے۔ ہم نے تو طالب علمی کو کھیل بنا لیا ہے۔ طالب علمی نفس کشی چاہتی ہے۔ اب تو زمانے کے لوگ بدل گئے ہیں۔ بہر حال شاہ ابو سعید ایک سال تک لوگوں کے لئے پیشاب کے ڈھیلے اکٹھے کرتے رہے۔ اپنے نفس کو قابو میں رکھا۔ نفس یہ کہاں برداشت کرتا تھا کہ میں مخدوم زادہ ہو کر کسی غریب آدمی کے لئے پیشاب کے ڈھیلے جمع کرتا رہوں۔ مگر طالب علم تھا۔ ایک مقصد اپنے ساتھ لایا تھا۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سب کچھ برداشت کرتا۔ سال گذرنے کے بعد حضرت بلخی نے شاہ ابو سعید کے نفس کا امتحان لینا چاہا۔ ایک بھنگن عورت کو کہا کہ جاؤ ابو سعید کے نزدیک کوڑا کرکٹ کا ٹوکرا پھینک دو۔ چنانچہ بھنگن عورت نے کوڑا کرکٹ کا ٹوکرا لے کر ابو سعید کے نزدیک سے گذری اور ان کے قریب پھینک دیا۔ ابو سعید نے کہا افسوس اگر یہ گنگوہ ہوتا تو میں تیرے ساتھ دیکھتا۔ مگر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں مسافر ہوں۔ عورت نے واپس آ کر حضرت بلخی کو ماجرا سنایا کہ یوں کہا۔ حضرت بلخی نے ابو سعید کو بلایا اور کہا کہ ایک سال کے لئے ڈھیلے اور بھی جمع کرتے رہو گے اور نمازیوں کے جوتے بھی سیدھے کرنے ہوں گے۔ چنانچہ ایک سال مزید یہ خدمت کرتے رہے۔ اب قدرے نفس کشی ہوئی تھی۔ سال گذرنے کے بعد پھر اسی عورت کو فرمایا کہ جاؤ اس مرتبہ کوڑا کرکٹ کا ٹوکرا ابو سعید کے سر پر انڈیل دو۔ پھر دیکھو کیا کہتا ہے

بھنگن عورت نے ٹوکرا اس کے سر پر ڈالا۔ ابو سعید نے کہا۔ ارے یہ تم نے کیا کیا۔ یہ کوڑا کرکٹ اور فضلہ جات تو ویسے خود بھی گندہ تھا لیکن تم نے تو میرے اوپر پھینک دی۔ اور میں تو ویسے بھی گندہ تھا۔ تو نے مجھے اور بھی گندہ کر دیا۔ کیونکہ میں تو گناہوں کی وجہ سے اس نجاست سے بھی گندہ ہوں۔

بھنگن نے خاموشی سے واپس آ کر سارا واقعہ حضرت کو سنایا۔ اب حضرت بلخی نے جانا کہ ابو سعید کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں طالب علمی کا اخلاص پیدا ہو گیا ہے۔ ابو سعید کو بلایا اور کہا۔ ابو سعید آیئے، شکار کھیلنے جنگل جانا ہے۔ ابو سعید نے کہا۔ جی حضرت بخوشی منظور ہے۔ میں ہر وقت تیار ہوں۔ حضرت بلخی خود گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابو سعید کو کہا میرے ساتھ ساتھ پیدل چلنا۔ گھوڑا تیز رفتار تھا۔ جنگل کا سفر دراز تھا۔ جھاڑیاں اور کانٹے راستے میں بچھے پڑے تھے۔ لیکن حضرت بلخی جہاں جاتے۔ ابو سعید بھی ساتھ پیدل دوڑتا۔ تھک گیا اور جڑی بوٹیوں پر دوڑنے سے زخم لگنے سے چور چور ہو گیا۔ مگر ہمت نہ ہاری۔ پیر کا کہنا مانتا رہا۔ اور تکلیفیں برداشت کیں۔ آخر حضرت بلخی نے جانا کہ ابو سعید میں استقلال و استقامت پیدا ہو گئی ہے۔ تب واپس اپنے مکان آیا۔ اور خدام کو حکم دیا کہ نئے اور اچھے کپڑوں کا جوڑا لے آؤ۔ ابو سعید کو نہلایا دھلایا۔ کپڑے تبدیل کرائے، خوشبو لگا کر تیار کرایا۔ لوگ ان کو دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ یہ ایک بڑا عالم اور بزرگ ہے۔ حضرت بلخی گئے اور ان کے سامنے گھٹنوں بیٹھ گئے۔ اور ایک جوتی منگوائی۔ جوتی ابو سعید کے ہاتھوں میں دی اور کہا اب تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے آزمائش میں نہیں ڈالا کہ تم پر ظلم کروں، ستم کروں۔ تم ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے میں چاہتا تھا کہ تم کو علم معرفت اور ادبیات میں کمال حاصل ہو

لیکن اس سے پہلے آپ کو آزمایا، امتحان لیا ابتلا میں ڈالا۔ یہ میں نے آپ پر ظلم نہیں کیا ستم نہیں کیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں نے آپ پر احسان کیا۔ ہاں اگر آپ کہتے ہیں کہ میں نے تجھ پر ظلم کیا تو یہ جوتی میرے منہ پر دے مارو۔ اس کے بعد حضرت نظام الدین بلخی نے شاہ ابوسعید کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور اپنے خلفا میں ان کو ایک ممتاز مقام پر فائز کیا۔

یہ ہے اپنے اساتذہ، پیر کی اطاعت اور حکم ماننا۔ آج کل شاہ ابوسعید کا نام جب لیا جاتا ہے تو ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ کہا جاتا ہے اور سلسلہ چشتیہ میں بھی ان کا نام نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی علماء اور اکابر کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔

قاسم نانوتویؒ کی خدمت شیخ حضرت قاسم نانوتوی کو اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ایک کتاب دی تاکہ اس کی کتابت کر دیں۔ دورانِ کتابت ایک لفظ مہاجر مکی نے ہمزہ کے ساتھ لکھا تھا۔ اور دراصل عین کے ساتھ لکھنا چاہیے تھا۔ اب قاسم نانوتوی نے باقی کتاب لکھ دی۔ اور اس لفظ کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی۔ جب مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاں آئے اور فرمانے لگے۔ حضور! اس لفظ میں مجھے اشتباہ ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کونسا لفظ ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے اس لفظ کو دیکھ کر تصحیح فرما دی۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ لیکن قاسم نانوتوی نے اس کے دل کو ٹھیس نہ پہنچائی اور اپنے آپ کو ملامت کیا کہ میں اس لفظ کو نہیں سمجھا۔ اگرچہ فی الحقیقت استاد سے سہواً غلط لفظ لکھا گیا تھا۔ تو اصل چیز ادب میں اولاً اللہ تعالیٰ کا ادب کرنا ہے جس چیز کا تعلق اللہ سے ہو اس کا ادب کرنا بھی لازمی ہے۔ بیت اللہ خانہ کعبہ کا نام ہے۔ بیت فی نفسہ معزز نہیں لیکن جب منسوب الی المعزز ہوا اب یہ بھی معزز ہوا۔

احترام کعبہ کی انتہا یہی وجہ تھی کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے آخری عمر تک کالے رنگ کے جوتے نہیں پہنے۔ کیونکہ بیت اللہ کا غلاف کالے رنگ کا ہے تاکہ بیت اللہ کے غلاف کا رنگ پاؤں تلے نہ آنے پائے۔ کالے رنگ کی پگڑی (عمامہ) سر پر اکثر باندھتے۔ بیت اللہ کے غلاف کا رنگ سر کے اوپر برکت کا باعث ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کالے جوتے پہنے جائیں۔ مگر احتیاط کی وجہ سے اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے کالے جوتوں کو ترک کیا گیا۔

بے ادبی کی مضرتیں محترم دوستو! یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الدین کلہم ادب۔ اصل چیز ادب ہے۔ بے ادب خیر کثیر سے محروم ہوتا ہے یہ عام مشاہدہ ہوتا ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ چھوٹے چھوٹے آداب و مستحبات کا چھوڑنا موجب ترک واجبات و فرائض ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے ایک حدیث شریف اپنی کتاب فتح العزیز میں نقل کی ہے:۔

من تہاون من الادب حرم من السنۃ ومن تہاون بالسنۃ حرم من الواجبات ومن تہاون بالواجبات حرم من الفرائض ومن تہاون بالفرائض حرم من الایمان۔

عبرت کا مقام ہے کہ ایک چھوٹا مستحب اور ادب کا کام چھوٹنے سے سلسلہ ایمان سے محرومی تک جا پہنچتا ہے۔ آج

اپنے اندر دیکھ لیں۔ کتنے آداب و سنن چھوڑتے ہیں۔ خدا کے ادب کا لحاظ نہیں۔ رسول ؐ کے ادب کا لحاظ نہیں۔ استاد مربی کے ادب کا لحاظ نہیں۔ اسلاف کے واقعات سے بھی دل نرم نہیں ہوتا۔ دیکھو ہم ہمیشہ کے لئے علماء دیوبند پر فخر کرتے ہیں۔ اکابر علماء دیوبند گنگوہ گاؤں کی طرف لیٹ کر پاؤں نہیں پھیلاتے اس وجہ سے کہ اس گاؤں میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ تھے۔ اکابر دیوبند کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ ہمارا مرشد استاد اور پیر ایک گاؤں میں ہو اور ہم اس گاؤں کی طرف پاؤں پھیلائیں۔

کتاب کا ادب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ذاتِ گرامی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے تمام زندگی لیٹ کر مطالعہ نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ اپنے آپ کے لئے کتاب کو تابع کرنا ہے۔ حالاں کہ خود کو کتاب کا تابع ہونا چاہئے۔ اسلاف کی سیرت و تاریخ۔ افعال و اقوال ہمیں یہ سبق سکھاتے ہیں کہ انسانی زندگی کی بنیادی کڑی ادب ہے۔ پھر طالب علم کی حیثیت سے تو اپنے استاد کا لحاظ لازم اور واجب ہے جس طالب علم کے ساتھ استاد، مسجد، کتاب کا پاس نہ ہو تو اس کے علم میں برکت کہاں سے آئے گی۔ علامہ سرخسیؒ ایک بڑے فقیہہ، مجتہد اور عالم دین گذرے ہیں۔ دین اسلام کی خاص خدمت کی ہے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں میں اپنے علاقہ سے آئے۔ وہاں پر اس کے تمام تلامذہ اور مرید جمع تھے مگر اس کا ایک شاگرد موجود نہ تھا۔ حالاں کہ اس شاگرد کا علامہ سرخسی سے خاص تعلق تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی والدہ صاحبہ ضعیف العمری کی وجہ سے بیمار پڑی ہے اس وجہ سے آپ کے حضور میں پیش نہ ہوا۔ علامہ سرخسی نے فرمایا، بہت اچھا! ماں باپ کی خدمت کرنے سے اس کی عمر دراز ہو گی عمر میں برکت ہوگی۔ دنیا میں عمر طویل پائے گا۔ مگر علم دین کی برکتیں حاصل نہ ہوں گی۔ کیونکہ استاد کی عزت ایک شاگرد کو اس مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے دین اسلام کی اور علم کی خدمت لیتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر دراز کی مگر ساری زندگی میں اسلام کی اور اپنے استاد کے میراث کی نمایاں خدمت نہ کر سکے۔ جب کہ اساتذہ کی خدمت سے علم میں برکت آتی ہے۔

میں اپنے عزیز طلباء کرام سے کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور علم میں برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اساتذہ کی غلامی اختیار کرو۔ ان کا ادب کرو۔ ان کا لحاظ کرو۔ مذکورہ واقعات اور اقوال سے سبق سیکھو۔ حضرت علیؓ کا قول مشہور ہے آپ بھی سنتے ہوں گے۔ فرماتے ہیں جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا اسے میرے بیچ دینے کا اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق دے۔ +

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں ۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش ۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال ۔
ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح پاکستان ۔ رُوح افزا
راحت جان ۔ رُوح افزا
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے
ADARTS
HMD-6/87
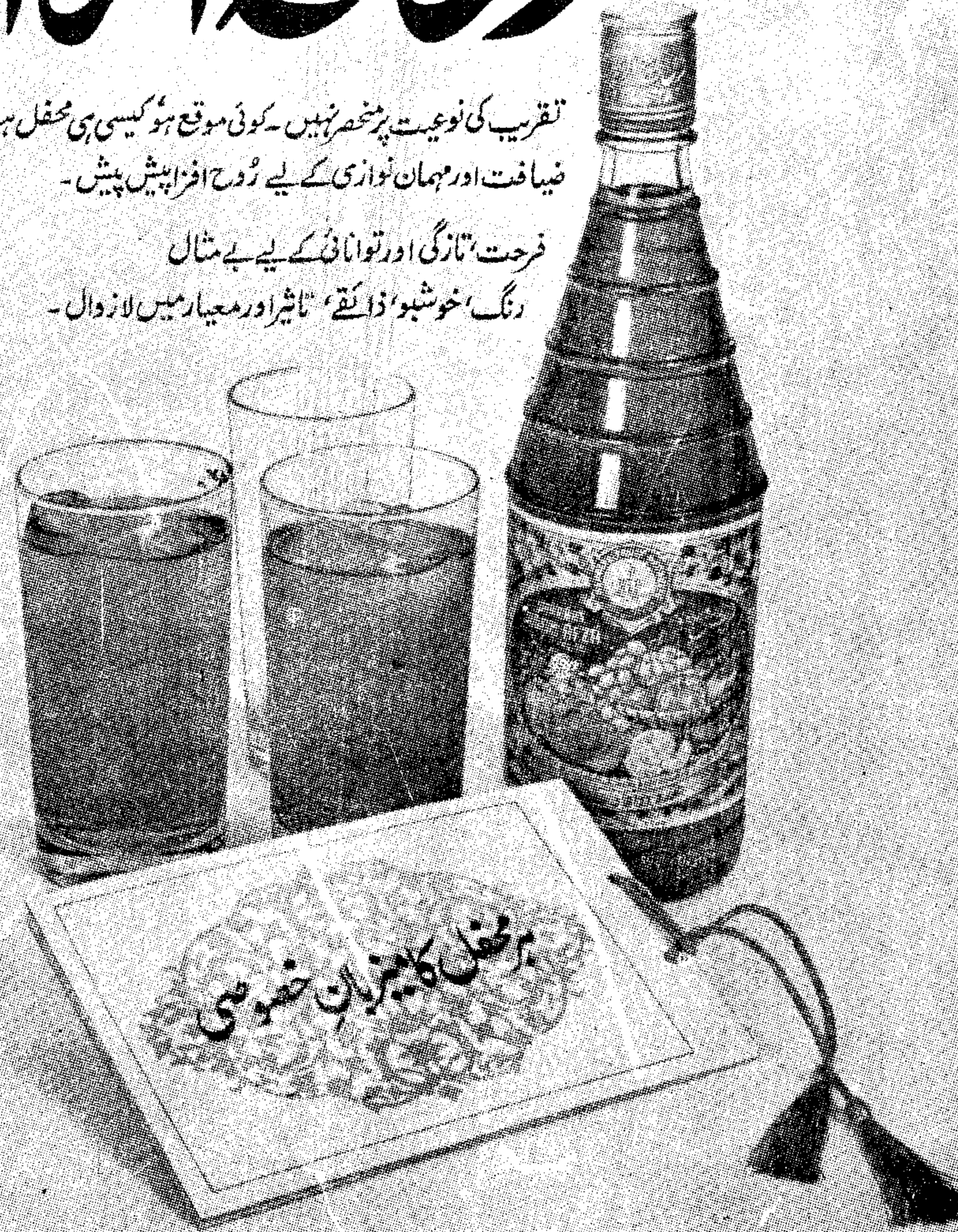
مولانا محمد شہاب الدین ندوی - انڈیا

مذاہبِ عالم میں تعدّدِ ازدواج کا قانون

ایک علمی و واقعاتی جائزہ

اسلام کی ایک غلط تصویر ایک امریکی پروفیسر گریگوری کوزوسکی نے لکھا ہے کہ "میں کبھی کبھی محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے بارے میں عام امریکی باشندوں کا تصور دو کارٹونوں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان ایک سنگدل اور تشدد پسند ہے جو ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن تھامے ہوئے ہے، اور دوسرے کارٹون کا تصور انتہائی دوسرے سرے پر ہے جس میں مسلمان ایک موٹے تازے اور تیل کی دولت سے مالامال شیخ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے جس کا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے اور وہ سو بیویوں والا ہے" [1]

اس طرح آج اسلام کی ساری خوبیاں اور اس کے سارے اقدار (VALUES) پس منظر میں چلے گئے ہیں اور پروپیگنڈے کی قوت اس طرح غالب آگئی ہے کہ چند بے سروپا قسم کے الزامات یا افواہوں نے حقیقت کی جگہ لے لی ہے۔ اس طرح پروپیگنڈے کے زور پر مسلمانوں کی بھیانک تصویریں کھینچی جاتی ہیں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمان ایک انتہائی متعصب اور جھگڑالو قسم کا آدمی ہوتا ہے جو عموماً کثیر زوجگی کا مرتکب ہو کر (زیادہ تر چار بیویوں والا ہو کر) عورتوں کے حقوق پامال کرتا ہے۔

یہ تو کم پڑھے لکھے طبقے کا حال تھا جو ایک حد تک قابلِ معافی بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اُسے اسلامی نظامِ حیات اور اس کی خوبیوں کے بارے میں کوئی صحیح علم یا جانکاری نہیں ہے لیکن المیہ تو یہ ہے کہ عیسائی دُنیا اور مغربی طبقے میں خاص کر تعدادِ ازدواج یا کثیر زوجگی (POLYGAMY) کے سلسلے میں جو غلط پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اس کے زیرِ اثر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا ذہن بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، گویا کہ اسلام نے تعددِ ازدواج کی اجازت (بعض ناگزیر معاشی و اجتماعی ضرورتوں کے تحت مشروط طور پر) دیکر نہ صرف یہ کہ عالمی شریعتوں کے مقابلے میں ایک "بدعت" کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ طبقۂ نسواں کی "توہین" کرکے اس کے

---

[1] اسلامک ہیرالڈ، کوالالامپور (ملائیشیا) جلد ۹ شمارہ ۵

حقوق بھی پامال کر دیئے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اس مسئلہ کو کسی مذہب کی حقانیت کے جانچنے کا ایک اعلیٰ معیار قرار دیتے ہوئے کسی مذہب کے بارے میں گفتگو کے لئے اس مسئلے کو سرِ فہرست رکھا جاتا ہے گویا کہ جس مذہب نے اس کی اجازت دی ہو خواہ اس کے معقول وجوہات کچھ بھی ہوں، اس میں سرے سے کوئی خوبی ہی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ اجازت ہزار برائیوں کی ایک برائی بلکہ اتنا سخت اور سنگین جرم متصور ہوگی کہ اس کی بنیاد پر اس مذہب کی تمام خوبیوں پر پانی پھیرا جا سکتا ہے اور جب کبھی ایک تعلیم یافتہ مسلمان کی ملاقات کسی تعلیم یافتہ عیسائی یا مستشرق سے ہوتی ہے تو وہ اپنی گفتگو کا آغاز جان بوجھ کر اسی مسئلے سے کرتا ہے، تاکہ وہ اپنی دانست میں اس مسئلے پر گفتگو کر کے ایک مسلمان کو اسلام کی "عدم معقولیت" کا یقین دلا سکے یا اسلام کے بارے میں اس کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اسے برگشتہ کر سکے۔ یہ موجودہ دور میں مستشرقین (علوم مشرقی کے ماہر مغربی علماء) کا ایک خاص حربہ اور ان کی فنکاری ہے۔

تعدد ازدواج پر ایک مباحثہ شام کے مشہور ماہر قانون ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں جب وہ دمشق یونیورسٹی کے ایک وفد کے ساتھ ایک تعلیمی و تحقیقی سفر کے تحت لندن گئے تو وہاں پر اُن کی ملاقات پروفیسر انڈرسن سے ہوئی جو لندن یونیورسٹی کے شعبہ مشرقی میں مشرقی عائلی قوانین (پرسنل لاء) کے صدر تھے اور ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ تعدد ازدواج (POLYGAMY) کے سلسلے میں اس طرح تھی۔

انڈرسن: تعدد ازدواج کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مصطفیٰ سباعی: ایک صالح نظام ہے جو معاشروں کے لئے اکثر حالات میں مفید اور فائدہ بخش ہے جبکہ اس کا نفاذ چند شرائط کے ساتھ ہو۔

انڈرسن: تب تو آپ کی رائے محمد عبدہ (مصر کے ایک مشہور عالم) کی رائے کے مطابق ہے، جن کا نظریہ اس سلسلے میں چند شرائط کو واجب قرار دینے کا تھا۔

مصطفیٰ سباعی: قریب قریب، لیکن پوری طرح نہیں، بلکہ میرا نظریہ دوسری بیوی کے نفقہ کی استطاعت رکھنے کے لحاظ سے مرد پر شرط عائد کرنے کا ہے تاکہ اسلام کے مطالبے کے مطابق بیویوں کے درمیان عدل کا اثبات ہو سکے۔

انڈرسن: کیا آپ جیسا آدمی بھی موجودہ دور میں تعدد ازدواج کا حامی ہو سکتا ہے؟

مصطفیٰ سباعی: میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، آپ مجھے صراحت کے ساتھ اس کا جواب دیجئے۔

اگر کسی کی بیوی ایک متعدی مرض یا کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس کی شفایابی کی کوئی امید ہی نہ رہ گئی ہو اور وہ نوجوان بھی ہو تو اس وقت وہ کیا کرے ؟ اس صورت میں اُس کے سامنے تین ہی راستے ہوں گے : ایک یہ کہ اُسے طلاق دیدے، دوسرا یہ کہ وہ نکاح ثانی کرے اور تیسرا یہ کہ وہ اپنی بیوی سے خیانت کرتے ہوئے غیر قانونی طور پر کسی دوسری عورت سے رابطہ رکھے (لہذا اب اُسے کیا کرنا چاہیئے ؟)

انڈرسن : اس صورت میں ایک چوتھا راستہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صبر کرے اور اپنے نفس کو حرام سے بچائے رکھے۔

مصطفیٰ سباعی : تو کیا ہر شخص اپنے آپ کو حرام سے بچائے رکھنے کی قدرت رکھتا ہے ؟

انڈرسن : ہم مسیحی اس بات کی قدرت رکھتے ہیں، کیونکہ ہمارے نفوس میں ایمان کی تاثیر موجود ہے۔

مصطفیٰ سباعی : (مسکراتے ہوئے) کیا آپ ایک مغربی ملک کے باشندے ہوتے ہوئے بھی یہ بات کہہ رہے ہیں ؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات کوئی مسلمان یا مشرقی ملک میں رہنے والا کوئی عیسائی کہتا تو وہ زیادہ قابل فہم ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو حرام سے بچائے رکھنے کی استطاعت رکھ سکتا ہے کیونکہ اس کا ماحول ابھی تک عورت کے ساتھ ہر وقت اور ہر آن مل جل کر رہنے کا بنا ہوا نہیں ہے کیونکہ اُس کی روایات اور اس کے اخلاق اب تک اُس کے تصرفات پر غالب ہیں اور اس کے دین کا اثر اب بھی اس کے ملک میں برابر موجود ہے جب کہ دوسری طرف تم مغربیوں کا حال یہ ہے کہ تم نے عورت کے ساتھ مل جل کر رہنے کا کوئی سا طریقہ بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور اسے بہکانے کا کوئی سا حیلہ بھی باقی نہیں رکھ چھوڑا ہے، یہاں تک کہ تم لوگ اب دن رات کا کوئی بھی لمحہ عورت کے بغیر گزارنے کی پوزیشن ہی میں نہیں رہ گئے ہو اور تم ہی وہ لوگ ہو جن کا معاشرہ مے خانوں اور رقص گاہوں کی محفلوں کے شور و غل سے گونج رہا ہے اور تمہاری سڑکیں حرامی بچوں سے بھری ہوئی ہیں تو ایسی صورت میں کیا تم دعویٰ کر سکتے ہو کہ تمہارا دین تمہاری بیمار بیوی کی خیانت سے روکتا ہے ؟ اور یہ بات کیونکر ممکن ہو سکتی ہے جب کہ (مریض بیویوں کی بات تو ایک طرف رہی) خود بھلی چنگی، خوبصورت اور نوجوان بیویوں کی خیانت اور بد دیانتی کی خبروں سے اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ رہتے ہیں اور ان واقعات سے عدالتیں بھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں !

انڈرسن : میں تو صرف اپنی بات کہہ رہا ہوں۔ ہاں تو میں اپنے نفس پر قابو پانے اور صبر کرنے پر قادر ہوں۔

مصطفیٰ سباعی : بہت خوب ! تو اس صورت میں آپ جیسے مسیحی اور مغربی لوگوں کا تناسب — جو

اپنے نفس پر قادر رکھ سکتے ہیں ـــــ اُن لوگوں کے مقابلے میں جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتے، کیا ہے ؟

انڈرسن : مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے (انهم قليلون جداً)

مصطفیٰ سباعی : تو کیا آپ کی نظر میں قانون ان لوگوں کی خاطر بنایا جا سکتا ہے جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہو ؟ یا عوام اور زیادہ لوگوں کے لئے ؟ اور ایسے قانون کا کیا فائدہ جس کا اطلاق ایک محدود طبقے ہی پر ہو سکے ؟

اس پر انڈرسن خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا [۲]

مسیحیت کا غیر معقول رویہ اس مختصر سے مباحثے کے ذریعہ بڑی خوبی کے ساتھ جہاں ایک طرف اسلام کے جائز کردہ تعددِ ازدواج کی ضرورت و اہمیت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف مسیحیت اور مسیحی دنیا کے ایک غیر فطری اور متضاد طرزِ عمل کی تصویر بھی سامنے آتی ہے مگر مغربی طرزِ فکر رکھنے والے لوگ بجائے اس کے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرکے اپنے قانون میں موجود شدہ نقائص کو دور کرنے کی کوشش کرتے، اُلٹا ایک معقول اور متوازن قانون کو غیر فطری اور غیر معقول قرار دینے کے درپے نظر آتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نکاح، طلاق اور تعددِ ازدواج یعنی کثیر زوجگی کے سلسلے میں مسیحی قانون کی بنیاد موجودہ اناجیل (GOSPELS) کے چند ناقص تصوّرات پر مبنی ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) جن کو اصل قرار دیکر مسیحی دنیا نے تعددِ ازدواج کو ناجائز قرار دے دیا (مگر اس میں بھی کلیسا کا رویہ اور کردار مشکوک اور متضاد ہے، جس پر اگلے صفحات میں بحث کی گئی ہے) حالانکہ یہ بات شریعتِ موسوی یا عہد نامہ قدیم (OLD TESTAMENT) کے بالکل خلاف ہے۔ کلیسا (چرچ) کے اس غیر معقول رویہ کے باعث موجودہ عیسائی اور مغربی دنیا فکر و عمل کے ایک ایسے عجیب و غریب تضاد میں مبتلا ہو گئی ہے جس کی مثال دین و شریعت کی تاریخ میں نہیں ملتی مگر اپنی کمزوریوں کو دور کرکے صحیح طرزِ فکر اور معقول رویہ اپنانے کے بجائے الٹے اسلامی شریعت جیسے کامل اور دائمی قانون پر طرح طرح کے بے سروپا اعتراضات اس سلسلے کی ایک اور فاش غلطی ہے جو الٹے چور کو توال ڈانٹے کا مصداق ہے

لہٰذا اس مضمون میں اس قسم کے مغالطوں اور فریب کاریوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اس سلسلے

---

[۲] المرأة بين الفقه والقانون، از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، ص ۸۷ ـ ۸۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، چھٹا ایڈیشن، ۱۴۰۴ھ

میں حقیقت حال کا تعارف کرانا اور اسلام اور مسیحیت کا ایک صحیح موازنہ (تعدّد ازدواج کی روشنی میں) پیش کرنا مقصود ہے تاکہ اسلامی شریعت کی برتری اور اسکی خوبیوں کا حال علمی و سائینٹفک نقطۂ نظر سے پوری طرح سامنے آجائے اور اس کے ساتھ ہی اصل ہندو قانون کا تعارف کراتے ہوئے جدید قانون سازی کی بعض خامیوں کو بھی اجاگر کیا جائیگا۔

موجودہ ہولناک صورت حال! واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی اور تمدّنی اعتبار سے ایک مرد کے لئے کبھی کبھی ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ ان مخصوص اسباب و حالات میں اگر اسے اس کی اجازت نہ ملے تو پھر اس کی فطرت بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے اور خلاف قانون طریقے اختیار کرنے لگتی ہے جیسا کہ موجودہ مغربی معاشرے میں اس کا اظہار بالکل نمایاں نظر آرہا ہے۔ چنانچہ آج جنسی انحرافات (SEXUAL DEVIATIONS) کے ایسے عجیب و غریب طریقے منظر عام پر آرہے ہیں جن پر دانشوروں اور انسانیت کا درد رکھنے والوں کو سخت تشویش لاحق ہو گئی ہے اور اس سلسلے کے اعداد و شمار ہولناک حد تک زیادہ اور تشویشناک ہیں مگر مسیحی دنیا اور خاص کر اس کا مذہبی اختیار رکھنے والا ادارہ یعنی کلیسا (چرچ) اس سلسلے میں نہ صرف بے حس ہے بلکہ ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے اور اس خطرناک بے راہ روی کا صحیح علاج کرنے کے بجائے اپنے غیر معقول طرز عمل اور ضد پر اڑا ہوا ہے اور مسیحی دنیا کی اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نوعِ انسانی نہ صرف جنسی بے راہ رویوں میں مبتلا ہو کر اپنی تباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے کر رہی ہے بلکہ ایک صحیح اور معقول علاج پر محض اندھے تعصب کی بناء پر روک لگاتے ہوئے ایک صحیح چیز کو غلط اور ایک غلط چیز کو صحیح قرار دینے کے درپے بھی نظر آتی ہے۔

مگر بعد از خرابی بسیار اب کچھ عرصے سے خود مغربی مفکرین اور دانشوروں کے ایک معتد بہ طبقے کو اس سلسلے میں خرابیوں کا احساس ہو رہا ہے اور وہ مسیحیت اور کلیسا کے غلط رجحان کو ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں اور اس کی کوتاہیوں کا اظہار برملا کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف حلقوں سے اصلاح کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا اب آہستہ آہستہ دینِ فطرت کی طرف بڑھ رہی ہے اور اسلامی شریعت کی ضرورت و اہمیت نہایت درجہ شدّت کے ساتھ محسوس کی جانے لگی ہے، اس سے اسلامی قانون کی برتری اور اس کی ابدیت و عالمگیری کے ناقابل تردید دلائل ہمارے سامنے آتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں مختلف مذاہب اور قوانین کا ایک جائزہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خصوصیت کے ساتھ عیسائیت کی کوتاہیوں کو منظر عام پر لانا بھی ضروری ہے جن کی بناء پر عالم انسانی انحراف اور جنسی

بے راہروی کے راستے پر چل پڑا اور عصر جدید میں فسق و فجور کا جو سیلاب آیا ہوا ہے وہ اسی جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے جو مسیحیت اور کلیسا کا پیدا کردہ ہے۔

انبیائے سابقین اور کثرت ازدواج آج کثیر زوجگی (POLYGAMY) پر سب سے زیادہ اعتراض عیسائیوں اور اُن کے توسط سے مغرب پرستوں اور جدید تعلیم یافتہ ہندوؤں کو ہے مگر دینی و شرعی اعتبار سے عیسائیوں اور ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں کثیر زوجگی کا جواز اور ثبوت ملتا ہے مگر عیسائی لوگ اس سلسلے میں اسلام پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں گویا کہ اُس نے کثیر زوجگی کو جائز قرار دیکر کسی بہت بڑی بدعت یا جرم کا ارتکاب کیا ہے مگر وہ اس حقیقت کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بلکہ اس سے پہلے اس کا عام رواج تھا اور یہودی شریعت عیسائی قانون کی اصل بنیاد ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلّم ہے اور یہ تینوں آپ کو اپنا روحانی پیشوا اور ابوالانبیاء مانتے ہیں، کیونکہ ان تینوں کا سلسلہ آپ ہی پر منتہی ہوتا ہے، چنانچہ آپ کی دو بیگمات تھیں۔ حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ۔ پہلی بیوی کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور دوسری بیوی سے حضرت اسمٰعیل کی ولادت ہوئی جو عربوں کے جدامجد کہلائے۔

اسی طرح حضرت یعقوبؑ کی دو بیویاں اور دو حرمیں تھیں [۳] حضرت اسحٰق کے بڑے لڑکے عیسو کی کئی بیویاں تھیں [۴] حضرت داؤد کی متعدد بیگمات تھیں [۵] اور مشہور یہ ہے کہ ان کی تعداد ایک سو تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کی سات سو بیگمات اور تین سو حرمیں تھیں [۶] اور آپ کے بڑے بیٹے رجعام کی ۱۸ بیویاں اور ۶۰ حرمیں تھیں۔ [۷]

مسیحیت میں ازدواجی زندگی بجائے خود ناپسند بائبل کے عہدنامہ قدیم (OLD TESTAMENT) میں اس طرح کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں۔ بقول نیوفیلڈ (NEUFELD) تورات اور تلمود کی رُو سے کثیر زوجگی کی مطلق اجازت ہے [۸]

[۳] دیکھئے بائبل کی کتاب پیدائش، باب ۲۹ اور ۳۰

[۴] کتاب پیدائش ۲۸ : ۹ [۵] ۲۔ سموئیل ۵ : ۱۳

[۶] ۱۔ سلاطین ۱۱ : ۳ [۷] ۲۔ تواریخ ۱۱ : ۲۱

[۸] دیکھئے موصوف کی کتاب (ANCIENT MARRIAGE LAWS) منقول از المرأة فی الاسلام، از عباس محمود عقاد، ص ۴۳، مطبوعہ بیروت، ۱۹۸۱ء

کیا عورت بدی کی جڑ ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی وہ خطا جس کے باعث انہیں جنت سے نکالا گیا، اس کا باعث حوا تھیں، لہٰذا اس گناہ کے باعث ہر عورت کا کردار بنیادی طور پر داغدار ہے۔

.... because women carry "The stain of Eve" 11.

اسی طرح دنیا کی ہر عورت اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے گنہگار اور بدی کی جڑ تصور کی گئی، اور اس سے دور رہنے کی تعلیم کے نتیجے میں مکمل تجرد، درویشی اور رہبانیت کی ہمت افزائی کی گئی جس نے ایک فلسفے اور تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ عورت کو کمتر سمجھنے اور اُس سے چھوت چھات برتنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت میں مرد اور عورت کے درمیان صحیح روابط اور صحیح حدود قائم کرنے کا کوئی تصور ہی نہ رہا بلکہ یہ سب چیزیں غیر ضروری اور روحانیت کے منافی تصور کر کے نظر انداز کر دی گئیں، جب کہ واقعہ کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں، لہٰذا روحانیت یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی عورت سے پرہیز کرتے ہوئے کسی جنگل یا بیابان میں جا کر بیٹھ جائے۔ اس طرزِ عمل سے تمدن انسانی کی گاڑی ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے۔

اسلام کی نظر میں عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد جو بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اُنس و محبت اور غمخواری کے لئے پیدا کی گئی ہے جس کی وجہ سے طبیعت میں فرحت و نشاط کے ساتھ روحانی اقدار کو بلند کرنے میں بھی مدد ملتی ہے اور اس کی وجہ سے مادیت و روحانیت کے درمیان ایک توازن قائم رہتا ہے۔ اسی بناء پر صنفِ نازک کو حسن اور خوبصورتی عطا کی گئی ہے تاکہ مرد اس کی طرف مائل ہو۔ دیکھیئے قرآن مجید میں اس حقیقت پر کتنے انوکھے اور حقیقت افروز انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بات کہ اُس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان آپس میں محبت اور مہربانی بھی رکھ دی (تاکہ تم اپنی زندگی خوش گوار بنا سکو)۔ (روم : ۲۱)

یہ آیت کریمہ ضمناً اُن تمام غلط تصورات کی بھی تردید کرتی ہے، جو عورت کے بارے میں کلیسا اور

---

11. Encyclopaedia Britannica, vol. 4, P.523, 1983

اسی طرح تورات اور ماقبل تورات شرائع کے مطابق کثیر زوجگی جب مطلق طور پر ثابت ہے تو پھر اسلام پر اعتراض کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اب رہا مسیحیت (CHRISTIANITY) کا معاملہ تو اس میں کثرت ازدواج تو بہت دور کی چیز ہے خود یک زوجگی (MONOGAMY) بھی ناپسندیدہ چیز ہے جو سخت مجبوری اور گناہ سے بچنے ہی کے لئے جائز قرار دیگئی ہے جیسا کہ سینٹ پال (جو خود بھی ایک غیر شادی فرد تھا) کی اس تاکید سے ظاہر ہوتا ہے۔

St. Paul, himself a bachelor, recommended marriage only as prevention of sin. [9]

ازدواجی زندگی روحانیت کی نفی! بلکہ سینٹ آگسٹائن کی پانچویں صدی کی تحریروں میں تو "روح اور گوشت" کے درمیان جنگ کا اظہار نہایت درجہ شدت کے ساتھ کیا گیا ہے، چنانچہ اس کے نزدیک جنسی عمل (SEX) بنیادی طور پر گناہ آلود ہے، جو صرف تولیدی عمل کی غرض سے قابل معافی ہو سکتا ہے، اس کا یقین تھا کہ جنسی عمل ایک حیوانی شہوت ہونے کے لحاظ سے روحانیت کی نفی کرتا ہے، اس لئے اس قسم کے معیاروں کو ترقی پانے اور ان کی انجام دہی سے جوڑوں (عورتوں اور مردوں) کی ہمت شکنی کرنی ہے، چنانچہ سینٹ آگسٹائن کی ازدواجی زندگی کی مذمت کا یہ نظریہ عیسائی دنیا پر ایک ہزار سال تک چھایا رہا۔

The conflict between spirit and flesh was most powerfully expressed in the writings of St. Augustine in the fifth century. He saw sex as basically sinful, excuseable only for purposes of procreation. He believed that the sex act as an act of animal lust, was despiritualizing and that norms had to be developed to discourage couples from performing it. Augustine's theology of marriage and family life dominated Church thinking for over a thousand years. [10]

9.10. Melvin L. Defleur, Sociology: Human Society, Second Edition, P. 445, Illinois (USA) 1976.

مسیحی دنیا میں مروّج رہے ہیں اور ثابت کر رہی ہے کہ انسان ہونے کی حیثیت سے عورت کا مقام مرد ہی کے برابر ہے جیسا کہ اس موقع پر "من انفسکم" کے الفاظ وضاحت کر رہے ہیں۔ یعنی جس طرح مرد نوعِ انسانی کے افراد ہیں، اسی طرح عورتیں بھی نوعِ انسانی ہی کے افراد ہیں اور جس طرح مردوں میں روحِ انسانی کارفرما ہے اسی طرح عورتوں میں بھی یہی روح کام کر رہی ہے جس کا مسیحی دنیا کو انکار رہا ہے۔

عیسائی نظام میں دو متضاد رجحانات

اصل بات یہ ہے کہ مسیحیت میں ایسی کوئی جامع شخصیت نہیں گزری جو عوام کے لئے دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے ایک مثالی نمونہ یا ماڈل بن سکتی ہو، بلکہ اس میں زیادہ تر دنیاداری کو خیرباد کہتے ہوئے زہد و رہبانیت کی زندگی اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک غیر شادی شدہ شخص تھے اور سینٹ پال وغیرہ بھی غیر شادی شدہ تھے، لہٰذا ان دونوں کو اس باب میں عموماً ایک نمونہ مانا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ اس قسم کی زاہدانہ زندگی انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتی۔ اسی وجہ سے خود عیسائی دنیا اس طرزِ فکر پر کبھی کاربند نہ رہ سکی بلکہ اس میں دنیاداری یا ازدواجی زندگی کا رجحان بھی برابر موجود رہا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریح کے مطابق عیسائیت کے عائلی نظام (ازدواج، خاندان اور جنس) میں یہ دو مختلف اور متضاد بنیادی رجحانات ہمیشہ ہی باہم دست بہ گریبان نظر آتے ہیں:

Two basic tendencies, which are in constant tension with one another, [illegible] observed in the Christian understanding of marriage, family and sex: (1) the tendency to spiritualize and individualize the marriage relationship between man and wife in the light of the Gospel and to realize the basic demands of Christian Ethics in marriage and family and (2) an ascetic tendency that interprets marriage and family as orders of the old world, which have basically been overcome already and have no room in the new eon. [12]

---

12. Encyclopaedia Britannica, Vol 4. P. 522, 1983

ترجمہ: دو بنیادی رجحانات جو ایک دوسرے سے مسلسل متصادم ہیں، شادی، خاندان اور جنس کے مسیحی راز فکر میں دیکھا جا سکتا ہے: (۱) وہ رجحان جو مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی تعلق کو انجیل کی روشنی میں انفرادی اور روحانی بنا سکے اور جو کہ شادی اور خاندان سے متعلق مسیحی اخلاقیات کے بنیادی تقاضوں کو پورا کر سکے (۲) وہ راہبانہ رجحان جو شادی اور خاندان کو پرانی دنیا کے ان اقدار سے تعبیر کرتا ہے جو مغلوب کئے جا چکے ہیں اور اب نئے جگ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔

اس اعتبار سے ایک خوبصورت قسم کا راہبانہ فلسفہ جس میں نہ صرف تعدد ازدواج بلکہ بجائے خود ازدواجی زندگی کی مذمت کی گئی ہو فکری اعتبار سے تو بڑا "خوش کن" نظر آ سکتا ہے، مگر واقعات اور عمل کی دنیا میں وہ ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ اس اعتبار سے مسیحیت انسانی زندگی کے لئے کوئی آئیڈیل فلسفہ، اور اس کی فطرت سے مطابقت رکھنے والا کوئی موزوں ضابطۂ حیات نہیں ہو سکتا — بالفاظ دیگر مسیحیت ہمارے جہاں کے لئے کسی متوازن شریعت کی حامل دکھائی نہیں دیتی۔

حاصل یہ کہ مسیحی طرز فکر انسانی فطرت اور اس کی نفسیات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے لہذا انسانی فطرت سے اعراض کا وہی نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا جو آج ہمارے سامنے مختلف قسم کے جنسی انحرافات (SEXUAL DEVIATOINS) کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ مسیحی دنیا اپنے اس نقص اور کوتاہی کا علاج کرنے اور اپنی غلطیوں کو درست کرنے کے بجائے دوسرے مذاہب کے متوازن اور منصفانہ قوانین پر اعتراض کرتے ہوئے یہ چاہتی ہے کہ وہ خود جس طرح بگڑی ہوئی ہے، اسی طرح دوسرے صحیح مذاہب بھی بگڑ جائیں۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ تورات عیسائیوں کے لئے بھی شریعت کا درجہ رکھتی ہے، (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) جس میں تعدد ازدواج مطلق طور پر جائز ہے، لہذا عیسائیوں کے لئے یہودی شریعت کا اتباع شرعاً واجب ہے (جیسا کہ اس کا اعتراف خود ان کو بھی ہے) مگر انہوں نے اس معاملے میں تورات کی شریعت اور اگلے پیغمبروں کی سنت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسلامی شریعت بھی یہودی شریعت ہی کی طرح تعدد ازدواج کو جائز قرار دیتی ہے لہذا یہ قانون مؤکد طور پر قابل حجت بن جاتا ہے، لہذا اس باب میں عیسائیوں کو انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے اور اس اعتبار سے اسلامی شریعت کوئی نئی شریعت نہیں ہے، جس نے تعدد ازدواج کی اجازت دنیا میں پہلی بار دی ہو۔ لہذا تعدد ازدواج کو "شہوت پرستی" کا مظہر قرار دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ خود ان کے اپنے پیغمبر بھی (جن کو وہ آئیڈیل کردار والے اور جلیل القدر سردار مانتے ہیں) شہوت پرست تھے اور جیسا کہ اگلی بحث سے ظاہر ہوگا، خود بھی مذمت کے

اصل قانون کی رو سے بھی تعدد ازدواج جائز تھا اور ہندو مذہب میں آج بھی اس کا رواج مسلمانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح دنیا کے تین مذاہب (اور اس وقت بحث انہی میں ہے) تعدد ازدواج کے جواز پر متفق ہیں۔

ہندومت اور تعدد ازدواج یہ مسیحی دنیا کے شور و شغب اور مغربیت کے پروپیگنڈے ہی کا اثر ہے کہ مشرقی ممالک کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اپنے مغربی اُستادوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اسلام کے تعدد ازدواج پر سخت اعتراض کرتا ہے، خصوصاً ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ جو اپنے آپ کو "ترقی پسند" اور "دانشور" کہتا ہے وہ اس کو عورتوں پر ایک ظلم اور سماجی ناانصافی قرار دیتا ہے، جہاں تک اس مسئلے کی سماجی ناانصافی کا تعلق ہے، اس پر بحث تو آگے آئیگی اور جہاں تک اس کی مشروعیت یا اجازت کا تعلق ہے، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندو دھرم میں زمانہ قدیم سے نہ صرف اس کی اجازت رہی ہے، بلکہ آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی بہ نسبت غیر مسلموں میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج و رجحان زیادہ ہے جس کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا الزام دھرنا ایک سیاسی پروپیگنڈے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ مسلمان کو بیک وقت چار تک بیویاں رکھنے کی شرعی اجازت کے باوجود وہ عملاً یک زوجگی کے پابند ہیں اور اس سلسلے میں نزاع جو کچھ بھی ہے وہ محض نظریاتی ہے۔ اور مخالفین اسلام چاہتے ہیں کہ نظریاتی اعتبار سے مسلمانوں کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی جو آزادی حاصل ہے وہ قانونی طور پر سلب کر لی جائے تاکہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کسی بھی صورت میں نہ کر سکیں، مگر ظاہر ہے کہ یہ حرکت مسلمانوں کے مذہب میں ایک مداخلت اور دخل اندازی ہوگی، جو ان کی مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کرنے کے خلاف ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں چند اعداد و شمار ملاحظہ ہوں، جن سے یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو جائیگی کہ آج ہندوستان میں ایک سے زیادہ شادیاں کون کر رہا ہے؟ کیا مسلمان یا خود ہندو قوم؟ چنانچہ اس سلسلے میں پہلے قدیم ہندو قانون سے چند نظریاتی حقائق اور کچھ عملی شہادتیں پیش کرنے کے بعد جدید ہندوستانی معاشرے میں پائے جانے والے رسم و رواج کے کچھ اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں (جاری)

جناب ضیاء الدین صاحب لاہوری

سرسیّدؒ اور دو قومی نظریہ

پاکستان کا قیام" دو قومی نظریہ" کے نعرہ کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ اگرچہ برصغیر میں آزادی سے قبل دو سے زیادہ قومیں آباد تھیں۔ مگر "دو قومی نظریہ" کی اصطلاح اس وجہ سے ہوئی کہ اس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دوسری قوموں کی نسبت واضح اکثریت رکھتے تھے۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ قابل ذکر اہمیت کے حامل تھے۔ یہی دو قومیں اس خطہ کے وسیع رقبوں پر حکومت کرنے کی اہل سمجھی جا سکتی تھیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں کے مختلف علاقوں میں ہندو راجے اور مہاراجے حکمران تھے۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسلمان حملہ آوروں نے ادھر کا رخ کیا۔ اور یکے بعد دیگرے ان کے علاقوں پر قابض ہونے لگے۔ یہ سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا۔ بالآخر انگریز تاجروں کے بھیس میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور اپنی حکمت عملیوں سے کام لے کر آہستہ آہستہ عظیم الشان مغل سلطنت کے فرماں رواؤں کو یوں بے بس کر دیا کہ بالواسطہ طور پر خود حکمران بن گئے۔ اٹھارہ سو ستاون کے بعد واسطے کا یہ برائے نام سلسلہ بھی تمام ہوا اور اس خطے پر ان کا سکہ چلنے لگا۔

جدید دور آیا اور اقتدار کا مفہوم بدلنے لگا۔ اب تلوار کے زور سے حکومت کرنے کا زمانہ ختم ہو رہا تھا۔ جمہوریت کے نام پر عددی اکثریت حکمرانی کا حق قرار پانے لگی۔ باوجودیکہ نظم و نسق میں صلاح و مشورہ کے لئے اہل ہند کی نامزدگی کا رواج ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ مگر انگریز حکام خاص حدود کے اندر اکثریت کی بنیاد پر پیش کئے گئے۔ مطالبات کی پذیرائی کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ تاکہ بدامنی سے محفوظ رہ کر جس قدر ممکن ہو اپنے دورِ اقتدار کو طوالت دی جا سکے۔ بااثر ہندوؤں کا ایک طبقہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ایسے منصوبے بنانے لگا۔ جس سے مسلمانوں کے تہذیبی آثار مٹا کر خالص ہندوانہ تہذیب کو رائج کیا جائے۔ ایسی ہی ایک کوشش ۱۸۶۷ء میں کی گئی جب بنارس کے سربرآوردہ ہندوؤں نے اردو زبان اور اس کے فارسی رسم الخط کی بجائے بھاشا زبان اور دیوناگری رسم الخط جاری کروانے کی ایک تحریک شروع کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے الطاف حسین حالیؔ لکھتے ہیں۔

"سرسیّد کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا۔ ایک روز مسٹر شیکسپیر سے، جو اس وقت بنارس میں کمشنر

تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔

میں نے کہا، اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب، جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔

انہوں نے کہا، اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔

میں نے کہا، مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔"[1]

مولوی عبدالحق اس واقعہ کو "دو قومی نظریہ کی ابتدا" قرار دیتے ہیں[2] اور رئیس احمد جعفری سرسید کو "دو قومی نظریہ کا اصلی خالق" قرار دے کر ان کے نظریہ کو "پاکستان کی خشت اول" سے تعبیر کرتے ہیں[3]

صفدر سلیمی انہیں "پاکستان کا معمار اول" گردانتے ہیں[4]

ہمارے بہت سے دوسرے دانشور بھی اسی قسم کا چرچا کرتے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں یہی کچھ لکھا جاتا ہے نصابی کتب کی وساطت سے طلبہ کو یہی تعلیم دی جاتی ہے اور علمی ادبی محفلوں میں بھی یہی کچھ سننے میں آتا ہے۔ سرسید کے الفاظ سے اپنی مرضی کے نتائج نکالنا ہمارے بعض دانشوروں کا کمال بنتا جا رہا ہے۔ ان کا فن اصل حوالوں سے بیگانہ ہے۔ مجبوری کی صورت میں سیاق و سباق کو چھپا دیا جاتا ہے۔ یا پھر ان کے مفہوم کو ایسے الفاظ کا لبادہ پہنایا جاتا ہے جس سے دوسروں کو اصل سے متضاد تاثر ملے۔ حقائق کی وضاحت میں طویل و عریض انشا پردازی کی بجائے سرسید کے اصل حوالے پیش خدمت ہیں۔ زبان ہی کے مسئلے میں مذکورہ بالا متعصبانہ کوششوں کے متعلق ۱۸۸۷ء میں سرسید ایک تعلیمی سروے رپورٹ میں لکھتے ہیں:-

"تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح کے کاموں میں کوشش کریں۔ مگر جب سے ہندو صاحبان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو زبان اور فارسی کو، جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شہنشاہی ہندوستان کی باقی ماندہ نشانی ہے، مٹا دیا جائے۔ اس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو و مسلمان باہم متفق ہو کر ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی

---

[1] حیات جاوید، حصہ اول [2] سرسید احمد خاں، حالات و افکار ص ۶۴ [3] خطبات قائد اعظم ص ۶۰۶ [4] پاکستان کا معمار اول، عنوان کا

فلاح کا کام نہیں کر سکتے۔" [1]

مندرجہ بالاحوالوں سے یہ بات عیاں ہے کہ سرسید ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے۔ البتہ اپنے تاثرات کے ذریعہ وہ تعصب کی ان مساعی کی مذمت کرتے ہیں جب وہ دونوں قوموں میں علیحدگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے بیانیہ انداز سے دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ وہ ہر دم ان دونوں کی برابر ترقی کے خواہاں ہیں۔ یہ ان کی سیاست کے ابتدائی دور کے الفاظ نہیں، اس کے بعد بھی وہ آخر دم تک ان دونوں قوموں کی یک جہتی کا پرچار کرتے رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل ۱۲ رجون ۱۸۹۷ء کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ان کی تحریر کا یہ اقتباس قابل غور ہے۔

"صدیاں گذر گئیں۔ کہ ہم دونوں ایک ہی زمین پر رہتے ہیں، ایک ہی زمین کی پیداوار کھاتے ہیں ایک ہی زمین کا یا دریا کا پانی پیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی ہوا کھا کر جیتے ہیں۔ پس مسلمانوں اور ہندوؤں میں کچھ مغائرت نہیں ہے۔ جس طرح آریا قوم کے لوگ ہندو کہلائے جا سکتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جا سکتے ہیں۔" [2]

"سکنے" کی بات تو الگ رہی، سرسید نے ۱۸۸۴ء میں لاہور میں آریہ سماج کے وفد سے باتیں کرتے ہوئے اس بات کا گلہ کیا تھا کہ:-

"مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو، باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں، ہندو نہیں سمجھتے۔" [2]

اس سے ایک سال قبل انہوں نے پٹنہ میں خطاب کرتے ہوئے "قوم" کا مفہوم اس طرح بیان کیا:-

"ملک ہندوستان میں دو مشہور قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمان کے نام سے مشہور ہیں۔ جس طرح کہ انسان میں بعض اعضائے رئیسہ ہیں اسی طرح ہندوستان کے لئے وہی دونوں قومیں بمنزلہ اعضاء رئیسہ کے ہیں۔ ہندو ہونا یا مسلمان ہونا انسان کا اندرونی خیال یا عقیدہ ہے جس کو بیرونی معاملات اور آپس کے برتاؤ سے کچھ تعلق نہیں ہے ...... جس طرح ہندوؤں کی شریف قومیں اس ملک میں آئیں اسی طرح ہم بھی اس ملک میں آئے ...... ہم نے بھی ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اپنے سے پیش قوموں کی طرح ہم بھی اس ملک میں رہ پڑے۔ پس اب ہندوستان ہی ہم دونوں کا وطن ہے۔ ہندوستان ہی کی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں۔ مقدس گنگا جمنا کا پانی ہم دونوں پیتے ہیں۔ ہندوستان ہی کی پیداوار ہم دونوں کھاتے ہیں۔ مرنے جینے میں دونوں کا ساتھ ہے۔ ہندوستان میں رہتے رہتے دونوں کا خون بدل گیا۔ دونوں کی رنگتیں

---

[1] خطبات سرسید جلد دوم ص ۵۱۲ [2] سفرنامہ پنجاب ص ۱۴۰

ایک سی ہوگئیں۔ دونوں کی صورتیں بدل کر ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سینکڑوں رسمیں اختیار کرلیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سینکڑوں عادتیں لے لیں۔ یہاں تک ہم دونوں آپس میں ملے کہ ہم دونوں نے مل کر ایک نئی زبان اردو پیدا کرلی جو نہ ہماری زبان تھی نہ ان کی۔ پس اگر ہم اس حصہ سے جو ہم دونوں میں خدا کا حصہ ہے، قطع نظر کریں تو درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں باعتبار اہل وطن ہونے کے ایک قوم ہیں۔" [1]

محض "دو قومیں" کے الفاظ استعمال کرنے سے دو قومی نظریہ کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ اس نظریہ سے اتفاق کیا جائے یا اختلاف۔ لیکن اس کا بہر حال ایک پس منظر ہے۔ سرسید کا مذکورہ بالا فلسفہ پاکستان کے دو قومی نظریہ کی واضح طور پر نفی کرتا ہے۔ ایک زمانہ میں تحریک پاکستان کے قائد اعظم محمد علی جناح بھی ان دونوں قوموں میں "اتحاد کے سفیر" کے طور پر معروف تھے۔ مگر بعد میں انہوں نے بوجہ اس اتحاد کی کوششوں سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کسی شخصیت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ہمیشہ اس کے آخری افکار مد نظر رکھے جاتے ہیں۔ سرسید کے آخری خیالات آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ان کا موازنہ اس دو قومی نظریہ کے بیان سے کیجئے۔ جو حصول پاکستان کی بنیاد ہوئے۔ قائد اعظم نے ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں اپنے تاریخی خطبہ میں اس کی یوں توضیح کی:-

"اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف و متمیز معاشرتی نظام ہیں۔ بلکہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہئے۔ کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کرسکیں گے ...... ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی معتقدات، دو مختلف ادبیات اور دو مختلف النوع معاشرتی اطوار کے ماتحت ہیں۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہئے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ حیات انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمناؤں ترقیات کے لئے مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں۔ دونوں قوموں کی رزمیہ نظمیں، ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز واسپیچز ص ۱۶۷

ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی۔" [۱]

پاکستان کا دو قومی نظریہ محض اس امر کی وضاحت نہیں تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہیں۔ اس میں غیر ملکی حکمرانوں سے مکمل آزادی بھی مطلوب تھی۔ یہ انگریزوں کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقصد ان سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس امر میں اس قافلہ کے سالار اعلیٰ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں۔ جس کا اظہار انہوں نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں ۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو کیا:۔

"یہ ایک چھوٹا برِاعظم ہے جس میں مختلف لوگ اور قومیں آباد ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کسی ایک طاقت نے پورے ملک پر حکومت نہیں کی۔ اور اس زمانہ میں بھی جب کہ برطانیہ آئینی طور سے اس پر حکمران ہے۔ ایک تہائی ہندوستان برطانوی نہیں۔ ہندوستان کی انتظامی وحدت برطانیہ کی پیدا کردہ ہے۔ لیکن یہ حکومت جو ۱۵۰ یا ۱۶۰ سال سے یہاں قائم ہے۔ عوام کی منظوری اسے حاصل نہیں۔ یہ ایک جمہوری نظام ہے جیسے مغل نظام پر عائد کر دیا ہے۔ اسے برطانوی سنگینوں کی حمایت حاصل ہے عوام کی نہیں۔ اب لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہو چکا ہے۔ ہم اپنی آزادی چاہتے ہیں ہم اپنی زمین کے خود مالک بننا چاہتے اور برطانوی حکومت خیرباد کہنا چاہتے ہیں۔" [۲]

اس کے برعکس سرسید انگریزوں کی حاکمیت کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ تمام عمر اس فلسفہ پر کاربند رہے کہ:۔

"ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے، اس کی اطاعت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری، اور نمک حلالی، جس کے سایۂ عاطفت میں ہم امن و امان سے زندگی بسر کرتے ہیں، خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔" [۳]

اپنی وفات سے صرف چھ ماہ قبل سرسید نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ:۔

"ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے خیر خواہ اور وفادار رہیں اور کوئی بات قولاً اور فعلاً ایسی نہ کریں جو گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی اور وفاداری کے خلاف ہو۔" [۴]

---

[۱] خطبات جناح صہ ۶۶، ۶۶ [۲] ارشادات جناح صہ ۲۳ [۳] روئداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اجلاس نہم صہ ۱۶۹ [۴] آخری مضامین صہ ۱۰۱

اس کے جواز میں وہ مذہبی اسناد بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اس مضمون کی اشاعت کے ایک ہفتہ بعد وہ ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں :-

"حدیث کی کتابوں میں متعدد حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نہایت تاکید سے نصیحت کی ہے کہ تم اپنے امیروں اور حاکموں کی ہر حالت میں اطاعت کرو خواہ تمہارے ساتھ ظلم و ستم ہوتا ہو یا وہ انصاف و مروت سے پیش آتے ہوں۔ ان حدیثوں میں حاکم یا امیر کے ساتھ کوئی شرط یا قید نہیں ہے جس سے یہ بات معلوم ہو کہ حاکم یا امیر کس مذہب کا ہو"[۱]

اطاعت اور وفاداری کے اس جذبہ میں وہ مظلوم کو آہ کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ وہ ایڈیٹر پاونیر کے نام ایک مکتوب میں ہندوستان کے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"اگر بالفرض گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کچھ دست اندازی بھی ہو تو ان کے حق میں یہ بہتر ہو گا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ نہ کہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں بغاوت اختیار کریں"[۲]

اپنی تفسیر القرآن میں اس امر کی مذہبی سند انہوں نے یوں پیش کی ہے :-

"جو لوگ اس ملک میں یہاں بطور رعیت کے رہتے ہوں یا امن کا اعلانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو اور گو بوجہ اسلام ان پر ظلم ہوتا ہو تو بھی ان کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں۔ یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں"[۳]

کیا انگریزوں کی اطاعت اور ان سے غیر مشروط مفاہمت کی یہ حکمت عملی سیاسی مصلحتوں کے تابع تھی؟ کیا سرسید اس طرح مسلمان قوم کو آزادی کے لئے تیار کر رہے تھے؟ ہمارے جدید دانشور اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں دوسرے الفاظ میں وہ انگریز قوم کو بے وقوف ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ان کی یہ چالا کی نہ سمجھ سکی۔ ساری دنیا میں انگریزوں کی سیاسی دور اندیشی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو بالآخر انہی کے زوال کا باعث ہوئی۔ اور اس طرح وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ساری تاریخ ان دلائل کی نفی کرتی ہے۔ سرسید کی پالیسی ان کی سمجھ کے مطابق اخلاص پر مبنی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ :-

"ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ صرف ایک زمانہ دراز تک ہی نہیں بلکہ اٹرنل (دائمی) ہونی چاہئیے"[۴]

انہیں سن ستاون کی جدوجہد کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی حالتِ زار نے اس پالیسی کو اپنانے پر مجبور نہیں کیا بلکہ وہ اس

---

[۱] آخری مضامین ص ۱۱۳ [۲] مکاتیب سرسید احمد خان ص ۶۶ [۳] تفسیر القرآن جلد اول ص ۲۳۹
[۴] ایڈریس اور اسپیچیں ص ۵۷۔

سے کئی سال قبل سے ہی اس نظریہ پر کار فرما تھے۔ ایڈیٹر پاینیر کے نام اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ:-

"جو میری آراء اور خیالات برٹش گورنمنٹ کی نسبت ہیں ان کے اصول میرے بیٹے سید محمود کی پیدائش سے بہت پہلے قائم ہو چکے تھے"[1]

واضح ہو کہ سید محمود کا سن پیدائش ۱۸۵۰ء ہے۔ اس کے علاوہ ۱۸۹۴ء میں انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اپنی وفاداری کے جذبات کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ:-

"میری یہ رائے آج کی نہیں بلکہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں"[2]

سرسید کے مندرجہ بالا بیانات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ یہ پالیسی انہوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی حالت زار سے متاثر ہو کر اختیار کی مضحکہ خیز ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس صورت حال نے ان کے عزائم کو تقویت پہنچائی اور ان کے لئے مسلمان قوم کی قیادت سنبھالنے کی راہ ہموار کی۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ کثیر الاقوام معاشرہ میں کسی مذہب کے پیروکار اکثر و بیشتر اپنے ہم مذہب سیاسی قائدین کی تقلید کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ سرسید نے خود بیان کیا ہے کہ:-

"برٹش رول (راج) کے ساتھ میری وفاداری اور محبت کی آزمائش ۱۸۵۷ء کے مصائب میں ہوئی تھی"[3]

اور پھر "اس کے عوض میں سرکار نے میری بڑی قدر دانی کی۔ عہدۂ صدر الصدوری پر ترقی کی۔ اور علاوہ اس کے دو سو روپیہ ماہوار پنشن مجھ کو اور میرے بیٹے کو عنایت فرمائے۔ اور خلعت پانچ پارچہ اور تین رقم جواہر ایک شمشیر عمدہ قیمتی ہزار روپیہ کا اور ہزار روپیہ نقد واسطے مدد خرچ کے مرحمت فرمایا"[4]

انہیں حکمرانوں کی طرف سے مکمل تعاون اور اعتماد حاصل تھا۔ اسی رسوخ کی بدولت وہ قوم کو ایک خاص عرصہ تک اپنے ڈھب پر چلانے میں کامیاب ہوئے۔ بقول حالی "اگر فرض کر لیا جائے کہ سرسید کی تمام کامیابیوں کا مدار اسی رسوخ اور اعتماد پر تھا تو بھی اصل سبب ان کی راست بازی اور سچائی ٹھہرے گی۔ کیونکہ برٹش گورنمنٹ میں ایک نیٹو (مقامی باشندہ) کا اس قدر رسوخ و اعتبار کرنا، جب تک کہ اس کی وفاداری اور خلوص کا سونا سخت امتحان کی آگ پر تایا نہ گیا ہو ہرگز ممکن نہیں"[5]

انہوں نے انتہائی خلوص کے ساتھ انگریزی حکومت کے استحکام کی کوششوں میں حصہ لیا۔ جو اصلاحی کارنامے انجام دیئے ان کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ ان کی مساعی کا تحریک پاکستان سے ناطہ جوڑنا حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ دو قومی نظریہ سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ثبوت کے طور پر چند مزید حوالے ملاحظہ ہوں:-

---

[1] مکتوبات سرسید ص ۶۳۱ [2] روئداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اجلاس نہم ص ۱۶۹ [3] مکتوبات سرسید ص ۶۳۱ [4] لائل محمڈنز آف انڈیا حصہ اول ص ۱۷ [5] حیات جاوید حصہ دوم ص ۳۱۸

"تمام انسان بالکل شخصِ واحد ہیں اور میں "قوم" کی خصوصیت کے واسطے مذہب اور فرقہ اور گروہ پسند نہیں کرتا"[1]

"وہ زمانہ اب نہیں کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھے جائیں"[2]

"لفظ "قوم" سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے۔ یہی وہ معنی ہیں جس میں میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے لائق نہیں ہے۔ کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے"[3]

"یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی جو اسی ملک میں رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں"[4]

اور اب آخر میں علی گڑھ سے شائع ہونے والی سرسید کی تصنیف "اسباب بغاوت ہند" میں درج "انتساب" کے الفاظ، جو ہمارے پروپیگنڈہ کی نفی کرتے ہیں۔

"سرسید کی روح کے نام جس نے ہندوستانیوں کو متحدہ قومیت کا تصور بخشا"[5]

کتابیات

۱۔ آخری مضامین۔ رفاہِ عام پریس لاہور ۱۸۹۸ء ۲۔ ارشاداتِ جناح، ادبستان لاہور ۱۹۴۶ء

۳۔ اسباب بغاوت ہند، یونیورسٹی پبلشرز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۸ء

۴۔ ایڈریس اور اسپیچیں متعلقہ ایم اے او کالج، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ ۱۸۹۸ء

۵۔ پاکستان کا معمارِ اول۔ ادارہ طلوع اسلام لاہور ۱۹۶۷ء

۶۔ تفسیر القرآن، جلد اول۔ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ ۱۸۸۰ء

۷۔ حیاتِ جاوید، حصہ اول و دوم نامی پریس کانپور ۱۹۰۱ء ۸۔ خطباتِ جناح، ادبستان لاہور ۱۹۴۶ء

۹۔ خطبات سرسید، جلد دوم مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳ء ۱۰۔ خطبات قائداعظم، شعاع ادب لاہور ۱۹۶۱ء

۱۱۔ روئداد مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۵ء

۱۲۔ سرسید احمد خان، حالات و افکار، انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۷۵ء ۱۳۔ سفرنامہ پنجاب، انسٹی ٹیوٹ پریس علیگڑھ ۱۸۸۴ء

۱۴۔ لائل محمڈنز آف انڈیا حصہ اول مفصلائٹ پریس میرٹھ ۱۸۶۰ء

۱۵۔ مکاتیب سرسید احمد خان، یونین پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۰ء ۱۶۔ مکتوبات سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۹ء

۱۷۔ مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز، مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء

---

[1] مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز ص ۱۳۷ [2] سفرنامہ پنجاب ص ۱۴۳ [3] ایضاً ص ۱۶۷ [4] ایضاً ص ۹۴
[5] اسباب بغاوت ہند ص ۳
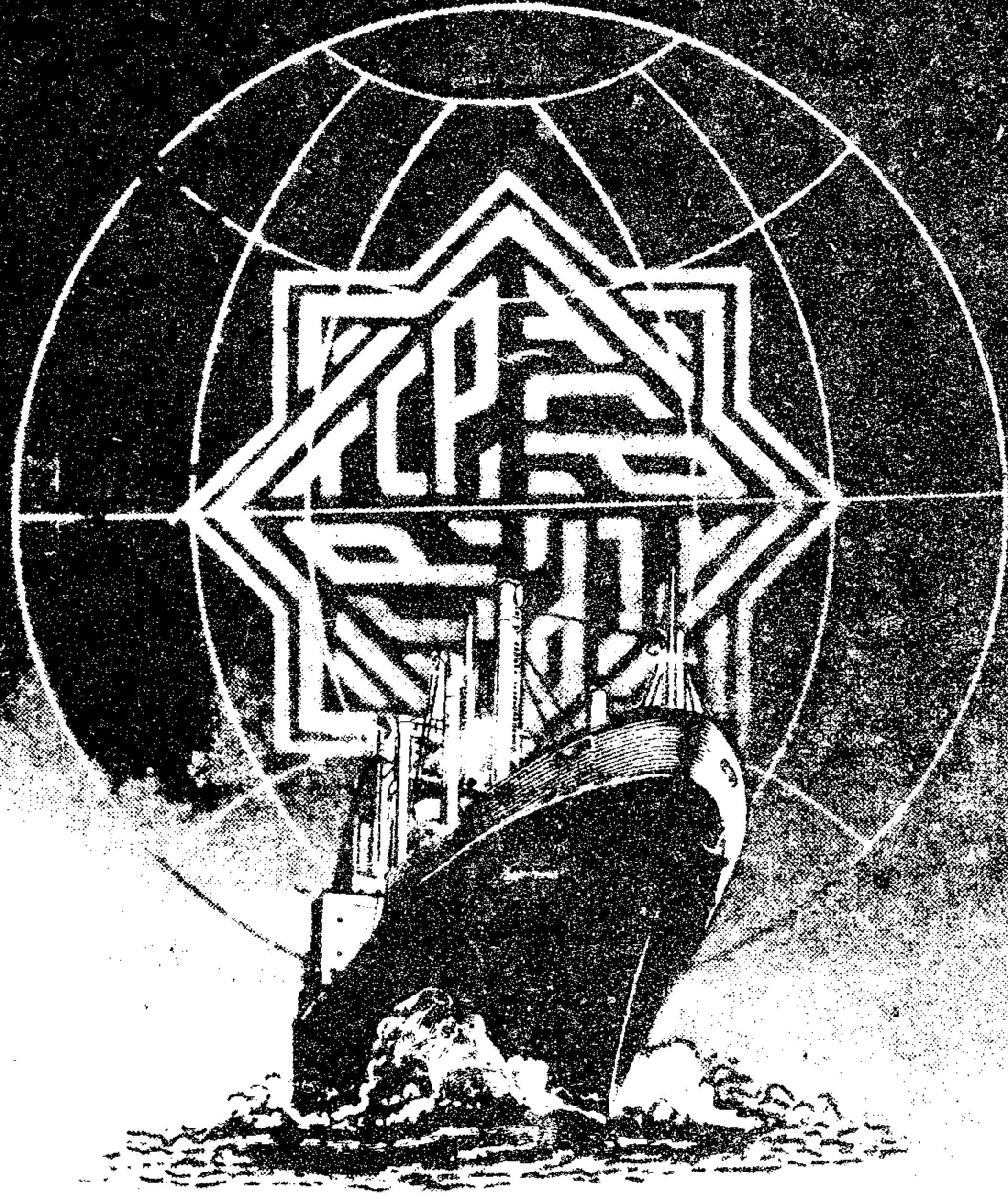
بسم اللہ الرحمن الرحیم
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا
پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب رکوع ۵ آیت ۴۵، ۴۶
اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے
کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے)
ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور
آپ ایک روشن چراغ ہیں۔
O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave. And A Lamp Spreading Light
Karachi Port Trust
The Port of Pakistan

مولانا محمد عبد المعبود صاحب، راولپنڈی

سکردو اور گلگت کے حالیہ فسادات کا پس منظر

صحیح واقعات اور حقائق پر مبنی جائزہ اور اس کی تازہ مشاہداتی رپورٹ

شمالی علاقہ جات مخصوص دفاعی جغرافیائی اور سیاسی اعتبارات سے پاکستان کا حساس ترین خطہ ہے۔ سیاچین گلیشیر محاذ کی وجہ سے سکردو فوجی اہمیت کا حامل ہے۔ اور شاہراہ ریشم کی اقتصادی اور دفاعی افادیت کے پیش نظر بلتستان کا پورا علاقہ پورا اور گلگت پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلتستان کی مجموعی آبادی تقریباً دو لاکھ ہے جب کہ سکردو کی آبادی چودہ پندرہ ہزار ہے۔ اور گلگت اور ملحقہ علاقہ جات کی آبادی ۳ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

قدیم زمانہ میں بلتستان میں بدھ مذہب کے پرستار پائے جاتے تھے۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں پیر امیر کبیر سید علی ہمدانی کا کشمیر جاتے ہوئے جب سکردو سے گذر ہوا تو ان کی تبلیغ اور زبردست جدوجہد سے سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چونکہ موصوف شافعی مسلک تھے اس لئے لوگوں نے بھی شافعی مسلک اختیار کر لیا۔

بعد ازاں دسویں صدی ہجری میں شمس الدین ایرانی کے وارد ہونے پر لوگ شیعہ مسلک سے وابستہ ہو گئے۔ جو رفتہ رفتہ پورے بلتستان میں پھیل گیا۔ اہل تشیع اپنی مذہبی رسومات کے مواقع پر صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رض کی شبیہہ بنا کر اس پر سنگ باری کرتے اور ان کی شان میں گستاخی کرتے۔ ان کی ایمان سوز حرکات پر مسلمان اپنی بے بسی پر خون کے آنسو بہاتے لیکن کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

۱۹۴۴ء میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد رشید اور بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس کے مسترشد مولانا محمد کثیر نے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آتے ہی ان خرافات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی کشمیر اسمبلی کے ممبر راجہ خپلو پر زور دیا کہ ان دلدوز و ایمان سوز حرکات کو بند کراؤ۔ ورنہ میں قوت بازو سے انہیں بند کرا دوں گا۔ موصوف تن تنہا ان خرافات کے خلاف برسر پیکار رہے اور چار سو میل کا جاں گداز سفر پیادہ طے کر کے اٹھارہ مرتبہ کشمیر اسمبلی میں گئے۔ بالآخر ان کی شبانہ روز جدوجہد اور پر خلوص محنت رنگ لائی۔ اور ممبران اسمبلی یہ قرارداد منظور کرنے پر مجبور ہو گئے کہ آئندہ ایسی خرافات کا ارتکاب ہرگز نہیں ہوگا۔

اس طرح مولانا موصوف نے جہاں صحابہ کرام رض اور امہات المومنین رض کے تقدس کے تحفظ میں کامیابی سے ہمکنار

ہوئے۔ وہاں سنّی عوام اور علماء کو شیعہ کی اسلام دشمنی سرگرمیوں کو کچلنے کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔

تقسیم ملک کے بعد بلتستان کی انتظامیہ صوبہ سرحد سے تعینات ہوتی رہی۔ جو عموماً اہلسنت والجماعت ہونے کی وجہ سے شیعہ سرعام تبرّا بازی اور مذہبی فسادات کی جرأت نہ کر سکے۔ اور انتظامیہ غیر جانب داری سے حالات پر کنٹرول کرتی رہی۔ لیکن ۱۹۸۶ء میں مرکزی وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات نے مفاد پرست عناصر کی ملی بھگت سے ڈی سی اور ایس پی کو تبدیل کر کے شیعہ اور آغا خانی افسران کا تقرر کیا۔ جس کی وجہ سے شیعہ بڑی بے باکی کے ساتھ پاکستان اور صحابہ کرامؓ کے خلاف کھلے بندوں بد کلامی کرنے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں شیعہ نوجوان زیارت کے بہانے ایران جا کر تخریب کاری کی تربیت حاصل کرتے اور علاقہ میں خوف و ہراس پھیلاتے اور فسادات بپا کرتے رہتے ہیں۔

ادھر آغا خان ٹرسٹ رورل کی طرف سے (اے۔ کے۔ آر۔ سی) تعمیر و ترقی کے عنوان سے بے پناہ فنڈ فراہم کیا جاتا ہے۔ جس کا کچھ حصہ ترقیاتی کاموں پر اور زیادہ رقم امامیہ آرگنائزیشن کے منصوبوں پر خرچ ہوتی ہے۔ شیعہ کی مساجد اور دینی درسگاہوں کو ایران کا بھرپور مالی تعاون حاصل ہے۔ امامیہ آرگنائزیشن کی تربیت پر بے تحاشہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اس تنظیم کو ضلعی انتظامیہ اور عوامی اداروں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کا انتہائی افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس دہشت گرد تنظیم میں سرکاری افسران بھی شامل ہیں۔ جو ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور امہات المومنین کی شان میں بدزبانی بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایران اور انڈیا کے ساتھ اپنی وفاداریوں کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ پورے علاقہ میں شیعہ دکانوں، مکانوں اور ماتم سراؤں میں خمینی کی تصاویر آویزاں ہیں۔ بعض اجتماعات میں ضلعی انتظامیہ کی موجودگی میں پاکستان اور صدر مملکت کے خلاف نعرہ بازی ہوتی ہے۔ اور خمینی زندہ باد، ایران زندہ باد کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ مگر انتظامیہ نے کبھی بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

کچھ عرصہ قبل جب تعلیمی اداروں میں شیعہ سنّی دینیات مشترک تھی۔ شیعہ طلبہ اصحاب ثلاثہ کے ساتھ خبث باطن کا اظہار کتابوں سے ان کے نام کھرچ دیتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات نے ایک سرکلر کے ذریعہ سخت حکم جاری کیا۔ کہ آئندہ جس سکول کے کسی بھی طالب علم کے متعلق ایسی شکایت ملی تو اس جماعت کے نہ صرف طلبہ کو بلکہ ان کے استاد کو بھی سخت ترین سزا دی جائے گی۔ جس کے بعد اس کا سد باب ہو گیا۔

دنیا کے کسی بھی ملک میں شیعہ پر کوئی آفت آئے تو سکردو کے شیعہ اس کے ردعمل کے طور پر سنیوں کو مرعوب کرتے اور تنگ کرتے ہیں۔ گذشتہ سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں شیعوں کو مظاہرے کرنے سے منع کیا گیا تو سکردو کے شیعوں نے یہاں منعقد ہونے والی سرکاری تقریبات کا نہ صرف بائیکاٹ کیا بلکہ انہیں زبردستی بند کروایا۔

امسال امامیہ آرگنائزیشن کے زیر اہتمام بلتستان اور گلگت کے سارے علاقہ میں ۵ فروری سے ۱۱ فروری تک جشن ایران کی سالگرہ پورے جوش و خروش سے منائی گئی۔ تنظیم کی دکانوں۔ مکانوں اور گاڑیوں پر ایران کے

جھنڈے لہرائے گئے۔ جگہ جگہ ایرانی انقلاب کی فلمیں دکھائی گئیں۔ جلسوں اور جلوسوں میں پاکستان، ضیا مردہ باد۔ اور راجیو، ایران زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔

گلگت سے خنجراب تک تقریباً دو سو میل کے ایریا میں شاہراہ ریشم کی چٹانوں پر خلفائے ثلاثہ کے خلاف سخت نازیبا الفاظ لکھے گئے۔ اور پاکستان مردہ باد کے نعروں سے پتھروں کو کالا کیا گیا۔ ان اشتعال انگیز کارروائیوں سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا۔ اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی بجائے بروقت انتظامیہ کو ان حرکات کے سنگین نتائج سے آگاہ کیا۔ بدقسمتی سے انتظامیہ یا وفاقی حکومت کے کانوں تک جوں تک نہ رینگی۔ بالآخر جو لاوہ عرصہ دراز سے پک رہا تھا وہ اُبل پڑا۔ اور سارے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہی مچا دی۔

حالیہ فسادات کی ابتداء ۱۷ مئی کو ہوئی۔ جب کہ شیعوں نے پورے ملک میں ایک دن پہلے عید منائی۔ حکومت اور سنّی مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کیں۔ حالیہ فسادات کے دوران سکردو کی شیعہ تنظیم امامیہ آرگنائزیشن نے انتظامیہ کو معطل کر کے ہر چیز کا کنٹرول سنبھال لیا۔ سرکاری دفاتر زبردستی بند کرا دئے۔ ایئرپورٹ پر پوری طرح کنٹرول حاصل تھا۔ پٹرول پمپوں پر قبضہ کر لیا۔ شہر کو آنے والی تمام سڑکوں کی ناکہ بندی کر دی۔ اور سنی مسلمانوں کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ اور ان کا مکمل سوشیل بائیکاٹ کیا۔ اور یہ دھمکی بھی دی کہ اگر شاہراہ قراقرم بند کی گئی تو ہم انڈیا کا راستہ کھول لیں گے۔ اسی اثنا میں انڈیا نے سیاچین گلیشیر پر حملہ بھی کیا۔

ادھر سکردو میں سب ڈویژن کھرمنگ میں شیعوں نے سرکاری راشن ڈپو، اسلحہ کی دکانوں اور بعض تھانوں پر قبضہ کر لیا۔ اور ہتھیار لوٹ لئے۔ "رانڈو" کے لوگوں نے ڈاکٹر عنایت کو بمعہ بال بچوں کے یرغمال بنا لیا۔ سرکاری گاڑیوں پر زبردستی قبضہ کر لیا اور اسی علاقہ کے جامعہ اسلامیہ کے باورچی کو بچوں سمیت یرغمال بنا لیا۔

۲۴ مئی کو سکردو میں علامہ شیخ غلام محمد صدر امامیہ انجمن بلتستان، شیخ محسن جعفری خطیب جامع مسجد اثنا عشریہ سکردو۔ وزیر شکیل احمد چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل۔ ڈی سی بلتستان غازی جواہر خان اور علامہ سید علی موسوی جیسے ذمہ دار افراد کی موجودگی میں پاکستان کے خلاف نعرہ بازی ہوتی رہی۔ اور تنظیم کے لوگ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ گلگت پر حملہ کرنے کے ارادہ سے چل دئے۔ مگر سکردو سے خاصا دور ساسی پل تک پہنچنے پر معلوم ہوا کہ جس خدائی لشکر کے مقابلہ کو نکلے ہیں وہ طاقت اور تعداد کے اعتبار سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس لئے ساسی پل تباہ کر کے واپس لوٹ گئے۔ جب انہیں اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا اور ادھر گلگت میں شیعہ کو اسلام اور پاکستان دشمنی کی جو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی اس سے خوفزدہ ہو کر مسلمانوں کا محاصرہ چھوڑ دیا اور خاموشی کے ساتھ گھر جا بیٹھے۔

اب ذرا گلگت کے شب و روز دیکھیں وہ کیسے ہیں۔ سرسبز و شاداب اور لہلہاتے دلربا باغات کیف و سرور کا

منظر پیش کرتے ہیں۔ دریا سندھ کے دونوں جانب آباد شہر دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ شہر کے شمال اور جنوب میں واقع بلند و بالا برف پوش پہاڑ اس کے قدرتی حسن کو اجاگر کرتے ہیں۔ آبادی کی غالب اکثریت اہلسنت والجماعت پر مشتمل ہے۔ جن کا اسلامی تہذیب و تمدن قابلِ رشک ہے۔ مرکزی جامع مسجد نادر تاریخی واقعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ جس کے محراب و منبر سے برسوں قاضی عبدالرزاق آوازۂ حق بلند کرتے رہے۔ اور ان کی دینی، تبلیغی اور تدریسی خدمات کا مرکز ہونے کا شرف بھی اسے حاصل ہے۔ اس وقت اسی مسجد میں ہر دلعزیز خطیب مولانا عنایت اللہ دلآویز تقاریر سے لوگوں کو مستفیض فرما رہے ہیں۔

مدرسہ نصرت الاسلام اپنی قابلِ قدر دینی خدمات کے باعث مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ گلگت کا محلہ کنٹونمنٹ کی دس ہزار آبادی ہے جو سارے سنّی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جٹیال میں شیعہ سنّی مخلوط آبادی ہے لیکن اکثر فوجی ایریا ہے کمرشل ایریا میں سنی زیادہ اور شیعہ آبادی کم ہے۔ عرصہ دراز سے گلگت میں ماتمی جلوس فساد کا باعث بنا ہوا ہے جو شہر کی دو بڑی جامع مساجد کے پاس سے گذرتا ہے۔ ان مسجدوں کے قریب شیعہ سٹیج لگا کر اشتعال انگیز تقریریں کرتے اور صحابہ کی شان میں غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں جس سے سنیوں کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی جاتی ہے۔ بارہا ان حالات سے وفاقی حکومت کو آگاہ کیا گیا۔ وفود کے ذریعہ امن معاہدے بھی ہوتے رہے اور ملک و مذہب دشمن انہیں پامال ہی کرتے رہے مگر آج تک اس کا مستقل سدباب نہ ہو سکا۔

حالیہ رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں بھی شیعہ کی شر انگیز کارروائیاں جاری رہیں۔ مسلمانوں کا چین و آرام تاخت و تاراج کیا۔ غیر ملکی آقاؤں سے وفاداری کا اظہار اور اسلام اور پاکستان دشمنی کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ ۲۱ رمضان المبارک کو گلگت کے محلہ ڈمیال کے امام باڑہ سے قراقلی ٹوپی پہننے والے علماء کے کفر کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ اور میر باز ولد محمد شفا مقرر نے اصحاب ثلاثہ کو کافر کہہ کر مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا۔ ۲۳ رمضان المبارک کو گلگت کے نہ صرف در و دیوار بلکہ سڑکوں پر بھی اصحاب ثلاثہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں شرمناک الفاظ لکھ کر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا۔ اس قدر سخت اشتعال انگیزی کے باوجود امن عامہ کو پامال کرنے اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی بجائے علمائے جمعۃ الوداع میں انتظامیہ سے احتجاج کیا۔ اس کے برعکس امامیہ آرگنائزیشن نے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت مرکزی جامع مسجد پر مسلح حملہ کر دیا اور وجاہت حسین کے گھر سے ہونے والی فائرنگ کا نشانہ ڈی ایس پی بھی بنا۔"

ملک کے دوسرے شہروں کی طرح گلگت میں بھی شیعہ نے ۱۰ مئی کو عید منائی اور مسلمانوں پر اکا دکا حملے جاری رکھے جن میں بعض مسلمان شہید ہو گئے۔ گلگت کے کچھ فاصلے پر شیعہ کی مرکزی آبادی "نگر" واقع ہے۔ جہاں شیعہ نے جدید ترین اسلحہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ حاضر سروس فوجیوں کو چھٹی لے کر فوراً پہنچنے کے احکامات جاری کئے۔ ریٹائرڈ فوجیوں اور کمانڈوں کو عید سے ایک دن پہلے جمع کر لیا گیا۔ کلاشنکوف۔ ایل ایم جی۔ سیون ایم ایم اور خبر رساں آلات سے مسلح دستے شمال اور

جنوب میں واقع پہاڑوں پر مورچہ بند ہو گئے۔ ریٹائرڈ میجر حسین شاہ۔ ریٹائرڈ لفٹیننٹ کموڈور وجاہت حسین۔ کیپٹن ناصر امان اور ریٹائرڈ صوبیدار میجر سلیم وغیرہ قیادت کر رہے تھے۔ دنیور سے جلال آباد تک بیس میل کے ایریا میں مورچے بنے ہوئے تھے۔

اس وحشیانہ اور بزدلانہ حملہ میں سنیوں کے متعدد مکانات کو نذر آتش کر دیا اور سنیوں کو زدوکوب کیا اور محلہ کشروٹ کے عوام نے بڑی مشکل سے اپنا دفاع کیا۔ شرپسند حملہ آوروں نے فورس کمانڈ شمالی علاقہ جات، محکمہ برقیات کے ایس ڈی او کے علاوہ کئی سرکاری گاڑیوں پر حملہ کیا اور انہیں نقصان پہنچایا۔ شرپسندوں نے ۳ بجے سہ پہر فائرنگ شروع کی جو رات گئے تک جاری رہی۔ لیکن معجزانہ طور پر مخالف سمت سے ایسی شدید آندھی آئی جس سے سارا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اور حملہ آوروں کی گولیاں نشانہ سے خطا ہوتی رہیں۔

اب ہم صدر مملکت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کو مستحکم اور دائمی بنیادوں پر حل کیا جائے۔ قبل ازیں کتنے ہی معاہدے معرض وجود میں آئے اور ملک دشمن عناصر اور دشمنان صحابہ ان کی دھجیاں بکھیرتے دیکھا۔ لہذا حسب ذیل اقدامات کی فوری اور راست ضرورت ہے۔ ۱۔ امہات المومنین اور صحابہ کرام کی عصمت کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور انکی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا موت مقرر کی جائے (۲) گلگت کی دو مرکزی مساجد کے پاس سے جلوس گذرنے پر مکمل پابندی لگائی جائے جو بار ہا قتل و قتال کا باعث بن چکا ہے۔ ۳۔ گلگت کے ڈی آئی جی پولیس، ریلیف کمشنر اور ایڈمنسٹریٹر کی جانبدارانہ پالیسی کے باعث فوراً تبدیل کیا جائے اور اسی طرح سکردو کے ڈی ایس پی اور ڈپٹی کمشنر کو تبدیل کیا جائے (۴) شمالی علاقہ جات کا مستقبل درخشاں بنانے کیلئے اسے کشمیر یا صوبہ سرحد کے ساتھ ملا دیا جائے یا پھر بلتستان، گلگت، چلاس، دیامر اور کوہستان پر مشتمل صوبہ بنا دیا جائے (۵) امامیہ آرگنائزیشن کو خلاف قانون قرار دے کر اس میں شامل سرکاری ملازمین کو کڑی سزا دی جائے +

جناب محمد داد صاحب

افغانستان میں خالص اسلامی حکومت کا قیام

پروفیسر عبدرب الرسول سیاف سے انٹرویو

قضیہ افغانستان کی تازہ ترین صورت حال اور جنیوا میں حکومت پاکستان اور
کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کے درمیان ہونے والے سمجھوتے سے متعلق اتحاد اسلامی
افغانستان کے امیر عبد الرب الرسول سیاف سے البنیان کے نمائندے کا انٹرویو

البنیان۔ استاد محترم سب سے پہلے افغان جہاد کے آغاز اور اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالئے۔

جواب۔ افغانستان کے مقدس جہاد کا آغاز سابق شاہی حکمران ظاہر شاہ کے دور حکومت میں ہوا۔ اور اسلامی تحریک کے جیالوں نے اس مقدس مشن کا سنگ بنیاد رکھا جس کے بعد ظالم حکومت کو اقتدار سے ہٹانے اور ایک حقیقی اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کام شروع ہوا۔ تاہم اس دور میں مسلح جہاد کا موقع نہیں ملا۔ بعد ازاں ظاہر شاہ کے چچا زاد بھائی سردار داؤد کے دور حکومت میں مسلح جہاد شروع ہوا۔ اس دور میں روس نواز کمیونسٹوں کا بول بالا تھا اور وہ عملاً حکمران تھے۔ انہوں نے روس کے اشارے سے ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو سردار داؤد کو ایک کو دتا میں اپنے اہل خاندان سمیت موت کے گھاٹ اتارا۔ اور مکمل کمیونسٹ حکومت قائم کر دی۔ نور محمد ترہ کئی اس حکومت کے سربراہ ہوئے جسے بعد میں اس کے ساتھی امین نے موت کے گھاٹ اتار کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ یہ دونوں اعلیٰ نظریاتی کمیونسٹ تھے۔ اور اس بات پر کھلے عام فخر کیا کرتے تھے کہ وہ دھریے ہیں۔ چنانچہ ان کے اس عمل نے افغان مسلمان عوام کو جھنجھوڑا اور خواب غفلت سے بیدار کیا۔ وہ اٹھے اور اسلامی تحریک کی صفوں میں شامل ہو کر تحریک کا حصہ بن گئے۔ اور ہر قسم کی قربانی کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ اور آج بے پناہ قربانیوں کے بعد منزل مقصود قریب ہے دنیا کی سپر طاقت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور رہے۔ اور پسپائی کی راہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں کہ آغاز میں مجاہدین کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور خالی ہاتھ ظلم کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اور چھری، چاقو، کلہاڑی یا کسی حد تک دیسی ساخت کے پرانے فرسودہ اور غیر قابل استعمال بندوقیں استعمال کرتے تھے۔ لیکن ان معمولی ہتھیاروں

کے بل پر دشمن فوجوں سے اسلحہ چھین کر آہستہ آہستہ مجاہدین مسلح ہو گئے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اسلحہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ بلکہ ایمان و عقیدہ، خلوص نیت اور تقوای۔ دیانت و صداقت اور اپنے رب پر کامل بھروسہ اصل چیز ہے۔ جو ظلم اور طاقت کے خلاف حوصلہ اور جذبہ دیتا ہے۔ اور انسان میں مقابلے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔

البنیان۔ کیا یہ درست ہے کہ آپ نے اپنے موقف میں نرمی پیدا کی ہے؟

جواب۔ ہمارا مقصد آزاد افغانستان میں ایک خالص اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ یہ مقصد تب پورا ہو گا جب افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں ایک اسلامی حکومت قائم ہو گی۔ اس کے علاوہ کسی اور فرد یا افراد کے ذریعے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ جہاد مقدس میں شریک افراد ہی اسلامی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ غیر جانب دار افراد کی حکومت کا قیام دراصل افغان مجاہدین اور عوام کی خواہشات سے دھوکہ ہو گا۔ اسی طرح ہم کمیونسٹوں کے ساتھ مخلوط حکومت کو بھی کلی طور پر مسترد کرتے ہیں۔ یہ ہمارا موقف ہے پہلے بھی تھا اب بھی ہے۔ اور آئندہ بھی رہے گا انشاء اللہ

البنیان۔ افغان مجاہدین کی حکومت، مخلوط حکومت اور غیر جانب دار حکومت سے کیا مطلب ہے؟

جواب۔ افغان مجاہدین کی حکومت سے مراد کمیونسٹوں اور روسی فوجوں کے خلاف مسلح مزاحمت کرنے والے مجاہدین کے ہاتھوں آزاد و مختار افغانستان میں ایک خالص اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ لڑائی میں شامل افراد ہی افغانستان کے مستقبل کی حکومت قائم کرنے اور چلانے کا حق رکھتے ہیں۔

مخلوط حکومت سے مراد ایسی حکومت ہے جس میں روس نواز کمیونسٹ افغان عوام کے قاتل موجودہ حکمران اور مجاہدین سب برابر کے شریک ہوں۔ یعنی اسلام کے حامی اور مخالف دونوں متضاد عناصر برابر اقتدار میں شریک ہوں

غیر جانب دار حکومت وہ ہے جو ایسے افراد پر مشتمل ہو جو افغان عوام کی جدوجہد میں شامل نہیں ہیں۔ اور غیر متعلقہ فریق کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ لوگ افغانستان سے نکل کر یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ افغانستان کا سابق حکمران طبقہ ہے جو دراصل موجودہ حالات کا باعث ہیں۔ انہوں نے اپنے دور میں افغان عوام کا استحصال کیا۔ اور سختی کے دنوں میں الگ تھلگ ہو کر یورپ میں پڑے ہیں۔

غیر جانب دار افراد میں ایک اور گروپ بھی ہے جو کسی حد تک جدوجہد میں شامل رہے۔ خون بہایا قربانی دی مگر اسلام اور دین و مذہب سے ان کی وابستگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور یہ مذہب سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

البنیان۔ ایک طرف آپ کا ٹھوس موقف ہے کہ حکومت صرف مجاہدین کی ہو۔ دوسری طرف جینوا معاہدہ طے پا چکا ہے اگر پاکستان اپنی سرحدیں بند کر دے تو پھر افغانوں کو افغانستان واپس جانا پڑے گا۔ اس قسم کی صورت حال کے لئے کوئی تیاری آپ لوگوں نے کر رکھی ہے؟

جواب۔ ہم ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اپنے رب سے ہر قسم کے حالات میں ثابت قدم رہنے کے لئے دعاگو ہیں۔

البنیان۔ اگر اسلامی ممالک امداد بند کر دیں تو اس سے کوئی مشکل پڑے گی؟

جواب۔ کامیابی و کامرانی اللہ کے ہاتھ میں ہے ہم صرف اس کی نصرت و تائید کے طلب گار ہیں۔ اگر انسانوں کی امداد بند بھی ہو جائے تو اس سے اللہ کی امداد تو بند نہ ہو گی۔

البنیان۔ اگر پاکستان مجاہدین کے دفاتر بند کر دے تو کیا آپ اپنے دفاتر ایران منتقل کریں گے؟

جواب۔ نہیں۔ ہم نہ تو اپنے دفاتر ایران منتقل کریں گے نہ کسی اور ملک بلکہ ہم افغانستان کے اندر اپنے جنگی مراکز منتقل کریں گے۔ جو ہمارے جنگی مرکزوں کے ساتھ ساتھ دفاتر کا بھی کام کریں گے۔

البنیان۔ اتحاد اسلامی میں شامل افغان مزاحمتی تنظیموں کے درمیان مختلف مسائل پر اختلاف رائے اور دیگر اختلافات کے بارے میں آپ کیا وضاحت کریں گے؟

جواب۔ مجاہدین میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اسلام دشمن افراد روس اور امریکی لابی کی افواہیں ہیں۔ جو افغانستان میں اسلامی ریاست کا قیام برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم روس کے خلاف بھی اس لئے لڑ رہے ہیں کہ وہ ملحد ہیں اور افغانستان میں کمیونزم کی حکومت چاہتے ہیں۔ ایسے میں روس رہے یا نکلے ہمارا جہاد جاری رہے گا۔ اور اس بات پر سب پارٹیاں متفق ہیں۔ عبوری حکومت کا اعلان ہو چکا ہے۔ اس پر بھی متفق ہیں۔ اور آئندہ بھی متفق و متحد رہیں گے انشاء اللہ۔

البنیان۔ کٹھ پتلی نجیب حکومت کی طرف سے آئین کا اعلان ہو چکا ہے جس میں اسلام اور مسلمان کے دعوے کئے گئے ہیں آپ اس پر کیا تبصرہ کریں گے؟

جواب۔ وہ تو پہلے روز سے اس طرح کے دعوے کر رہے ہیں یہ سب دنیا کو دھوکا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اس طرح کے اعلانات سے وہ کسی کو دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

البنیان۔ آخر میں اگر کوئی پیغام ہے؟

جواب۔ سب مسلمان بھائیوں سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے عقل، احساسات، روح اور دل و جان سے ہمارا ساتھ دیں۔ ان حالات میں ان کا ہم سے جدا رہنا بھائی چارے کی لغت میں ظلم کا شکار ہو گا اور آپس کی محبت مہربانی اور رحم کرنے میں جفا کے مترادف ہو گا۔
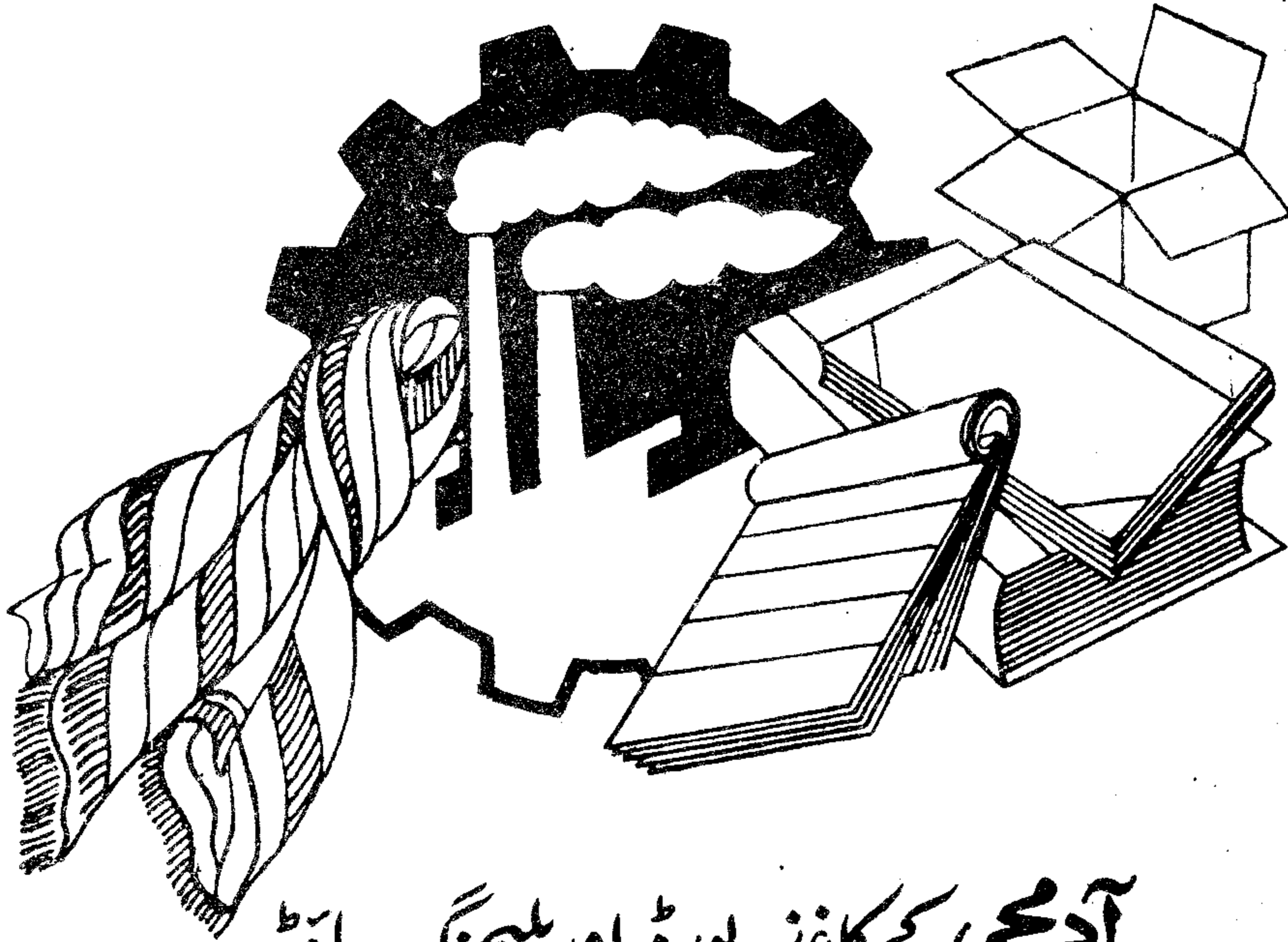
قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

- امریکی کانگریس میں فتنۂ مرزائیت کا تعاقب
- داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی ندوی کا مکتوب گرامی
- ہمدرد وقف اسلامی
- ایران اسرائیل گٹھ جوڑ
- خیر و برکت کے زمان و مکان

امریکی کانگریس میں فتنۂ مرزائیت کا تعاقب | برادرِ عزیز سمیع الحق صاحب ! سلام مسنون۔
ایک مدت کے بعد حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں۔ اس دوران میں ملک میں کیا کیا تبدیلیاں نہ آئیں۔ آپ کی سرگرمیوں کی اطلاعات اخبارات اور الحق سے ملتی رہتی ہیں۔ کئی بار سوچا کہ آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ از سرِ نو استوار کیا جائے لیکن اپنی کوتاہی اور آپ کی مصروفیات کا خیال بار بار آڑے آتے رہے۔ امید ہے آپ اور قبلہ محترم والد صاحب بخیر و خوبی ہوں گے۔

اس وقت لکھنے کی تقریب یہ بنی کہ نومبر ۱۹۸۷ء کے الحق میں آپ نے ایک اداریئے میں امریکی امداد کے تعطل پر قادیانیوں کے سلسلے میں جس امریکی امداد کی شرط کا ذکر کیا ہے، اس سے متعلق کچھ تفصیلات آپ کے گوش گذار کر دوں۔

ہُوا یہ تھا کہ گذشتہ سال جب پاکستانی امداد کا مسئلہ کانگریس کے سامنے زیرِ بحث تھا تو مقامی قادیانی جماعت نے اپنے طور پر کانگریس کے کچھ ممبران کے کان بھرنے شروع کر دیئے تھے کہ پاکستان میں ہم پر بہت ظلم و ستم ہو رہا ہے' ہمارے لوگوں کی جان مسلسل خطرے میں ہے اور حکومت کی سرپرستی میں ہمارے مکانوں اور کاروبار پر حملے کیے جا رہے ہیں' نیز یہ کہ ہمیں اپنے مذہب پر آزادانہ طور پر عمل کرنے سے روکا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں نئے نئے قوانین بھی بنائے جا رہے ہیں، یہ مسئلہ چونکہ (HUMAN RIGHTS) سے تعلق رکھتا ہے اور اس سلسلے میں امریکی حکومت اور کانگریس کی ایک خاص پالیسی بھی ہے' لہٰذا پاکستان کی امداد کا بل منظور کرتے وقت بل میں یہ شرط بھی عائد کر دی جائے کہ پاکستان اپنی اقلیتوں سے مساوی اور منصفانہ سلوک کرے اور بالخصوص احمدیوں کو مذہبی اور دیگر آزادیوں سے محروم نہ کرے۔
(SENATE) میں تو قادیانی حضرات کی کچھ شنوائی نہ ہوئی لیکن (HOUSE) میں دو ایک ممبروں نے ان کی باتوں کا اعتبار کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس (PROVISION) کو بل میں شامل کر دیں گے۔ اسی اثنا میں قادیانیوں نے اقوامِ متحدہ کے (HUMAN RIGHT COMMISSION) سے بھی رابطہ قائم کر لیا تھا اور ان لوگوں کو بھی اپنی مظلومیت کا احساس دلایا تھا۔ ایم، ایم احمد صاحب جو اب ورلڈ بینک سے ریٹائر ہو چکے ہیں اس سلسلے میں خاصے (ACTIVE) تھے اور اپنے مخصوص روابط کو استعمال کر رہے تھے۔ عین انہی دنوں جماعت احمدیہ کے

سربراہ بھی واشنگٹن آپہنچے۔ ہمارے پوچھنے پر تو انہوں نے یہی بتایا کہ وہ صرف اپنے "جماعتی" اور "تنظیمی" کاموں کے سلسلے میں آئے ہیں۔ لیکن عین ان دنوں میں جب پاکستان کی امداد کا بل کانگریس میں زیرِ بحث تھا، ان کا واشنگٹن آنا خالی از علت نہ تھا۔ چنانچہ اُن کی آمد کے اگلے روز ہی معلوم ہوا کہ انہوں نے کانگریس کے کچھ ممبران سے ملاقاتیں شروع کر دی ہیں۔

میں نے اور برادرِ عزیز میرے رفیقِ خاص نے پاکستانی سفارت خانے والوں سے رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ انہیں سارے حالات کی تو خبر نہیں تھی البتہ بل میں مذکورہ اس شرط کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ سفارت خانے والوں کا موقف یہ تھا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ میرے رفیق نے اپنے طور پر بہت کام کیا اور کانگریس میں کئی اہم (STAFFERS) سے ملاقاتیں کیں۔ میرے پاس قادیانیت پر جو فائل تھی اُس میں سے جتنا کچھ بھی (MATERIAL) تھا میں نے ان کے حوالے کر دیا جس کی فوٹو کاپیاں بنوا کر کانگریس میں تقسیم کی گئیں۔ بعد میں رفیقِ محترم اور میں نے یہ محسوس کیا کہ ایک تفصیلی رپورٹ کی ضرورت ہے جو قادیانیت کی صحیح تصویر کانگریس کے اُن ممبروں کے سامنے پیش کرے جن سے ایم ایم احمد صاحب اور مرزا صاحب ملاقاتیں کر چکے ہیں اور انہیں اپنے نقطۂ نظر کا قائل بھی کر چکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ امریکی CONTEXT میں یہ بات کہنا زیادہ اہم نہیں ہوگا کہ ہم مسلمانوں کو اپنے عقائد کے اعتبار سے قادیانیوں سے کیا اختلافات ہیں بلکہ یہ بتانا زیادہ مفید ہوگا کہ قادیانی لٹریچر میں اور بالخصوص ان کے بانی کی تحریروں میں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیسی لچر، بیہودہ، فحش اور بے سروپا باتیں اور عقائد درج ہیں، اس سے یہ ہوگا کہ یہ لوگ خود بخود قادیانیوں کی ہمدردی سے دستبردار ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہی سوچ کر میں نے اپنے ایک پاکستانی دوست کو اسلام آباد میں (TELEX) بھیجا کہ آپ اس طرح کی چیز جس میں یہ اور یہ حوالے درج ہوں قادیانیوں کے بارے میں جلد از جلد بھجوا دیں۔ وہ صاحب ان دنوں شاید لندن میں تھے۔ اُن کے دفتر سے مجھے کوئی دو ہفتے بعد ایک پیکٹ ملا جس میں بزبان انگریزی محمود غازی صاحب کا ایک مضمون تھا۔ میں نے بڑے شوق سے پیکٹ کھولا اور مضمون پڑھا مضمون بے حد (INCO HERNT DISJOINTED) (معاف کیجئے میری اردو بہت خراب ہو گئی ہے) اور کمزور تھا اور زبان بھی بے حد پھسپھسی بلکہ کہیں جگہ غلط۔ صاف لگتا تھا کہ موچی دروازے (لاہور) کی کسی تقریر کے لیے لکھا گیا تھا۔ میں ان صاحب سے واقف نہیں ہوں، ممکن ہے یہ صاحب اچھے اور معقول آدمی ہوں — حسنِ ظن یہی ہے — لیکن یہ مضمون بہت مایوس کن تھا۔ میں نے اپنے رفیق کو فون کر کے بتایا کہ مضمون تو آگیا ہے لیکن میں ایسا مضمون کانگریس میں (CIRCULATE) کر کے اپنا کیس خراب نہیں کرنا چاہتا۔

بہرحال اس دوران میں ہم نے لائبریری آف کانگریس سے مرزا صاحب کی کچھ کتابوں سے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں حوالے دیکھ کر ان کی نقلیں بنوالیں اور کانگریس میں متعلقہ افراد کو مع ترجمے کے مہیا کر دیں۔ اتفاق کی

بات کہ کانگریس کے جو ممبر اس معاملے میں زیادہ سرگرم تھے اُن کا تعلق یہاں کے مذہبی حلقوں سے بھی خاصا تھا۔ میرے رفیق نے اور میں نے اپنی ملاقاتوں میں دبے دبے لفظوں میں یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ لوگ قادیانیوں کی حمایت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہمارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ ہم آپ کی حمایت کرنے والے مذہبی رہنماؤں کو یہ بتا دیں کہ آپ ایک ایسے گروہ کی طرفداری کر رہے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں ایسے بے ہودہ خیالات رکھتا ہے۔ یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔

اسی دوران میں میرا TELEX ملنے کے بعد شاید میرے اسلام آباد والے دوست سیکرٹری وزارت خارجہ سے بھی اس کا ذکر کیا جنہوں نے غالباً یہ جواب دیا کہ پاکستانی سفارت خانے سے اُن کو جو اطلاعات ملی ہیں اُن کے مطابق بقول اُن کے: (WE HAVE ALREADY TAKEN CARE OF THE ISSUE) ظاہر ہے یہ بات درست نہیں تھی۔ ایشو تو وہیں تھا سفارت خانے والے (BILLIONS) کے چکر میں پریشان تھے اور اس سلسلے میں انہیں کوئی تشویش نہیں تھی ـــــ بل پاس ہونے سے دو روز قبل مجھے کانگریس کے ایک STAFFER نے اس کا مسودہ دکھایا تو یہ شرط جوں کی توں موجود تھی۔ ہم نے احتجاج کیا تو بتایا گیا کہ سب کمیٹی کے چیئرمین STEPHEN SOLARZ اب اس میں کسی ترمیم کے لیے تیار نہیں ہیں۔ البتہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب (HOUSE) سے پاس ہو کر بل سینٹ کے بل کے ساتھ کانفرنس کمیٹی میں جائے گا تو اسے نکال دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الحمد للہ

اتنی لمبی چوڑی تفصیل لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ:-

(۱) اس ساری تگ و دو میں صرف تین چار کانگریس مین سرگرم تھے اور باقی کانگریس نے اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔

(۲) اب اگلے سال امداد کے بل کے دوران احمدی حضرات نے بہتر تیاری کا پروگرام بنا رکھا ہے اور اس سلسلے میں وہ واشنگٹن میں دو کانفرنسیں بھی حال ہی میں کر چکے ہیں۔ میڈیسن میں ایک کانفرنس کے دوران اور نیویارک میں ایک اور کانفرنس کے دوران انہوں نے اپنے گروہ کے لیے مذہبی آزادی کے فقدان پر بہت سا مواد تقسیم کیا ہے اس سلسلے میں واشنگٹن اور نیویارک ان کی سرگرمیوں کے خاص مرکز بن چکے ہیں۔

(۳) سرکاری حضرات اس مسئلے کو غیر اہم سمجھتے ہیں اور کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے۔ ان کی کچھ مجبوریاں بھی ہیں جن کی بنا پر یہ لوگ ایک خاص حد سے آگے نہیں جانا چاہتے لیکن (CONTEXT OF HUMAN RIGHT) میں ان کو اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے میں کیا قباحت ہے، اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

(۴) قادیانی حضرات نے یہاں پاکستانی شیعہ حضرات کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے اور اُن سے کہا ہے کہ "آج ہم، کل تمہاری باری ہے"، میرے رفیق کا جواب یہ تھا کہ جب ہماری باری آئے گی تو ہم اپنی جنگ خود لڑ لیں گے، فی الحال تو آپ

سے نبٹ لیں۔ لیکن میڈیسن کی کانفرنس میں (جس میں میں خود موجود تھا) ایک قادیانی پروفیسر نے اپنے مقالے میں اپنے "پُرمظالم" کے ساتھ ساتھ شیعوں پر ہونے والے "مظالم" کا بھی ذکر بڑے رقت آمیز لہجے میں کیا۔ یہ ایک نئی (SBRATERY) ہے جس میں ابھی تک انہیں کوئی کامیابی تو نہیں ہوئی لیکن اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

۵ جیساکہ میں نے عرض کیا یہاں کے (CONTEXT) میں اس مسئلہ کو یہیں کے مخصوص مذہبی تناظر میں (TACKLE) کرنا چاہیئے۔ یہ کہ قادیانی ختم نبوت کے منکر ہیں، یہاں کے لوگوں کے لیے کسی تشویش کی بات نہیں ہے لیکن یہ کہ ان کے بانی نے حضرت مریمؑ اور حضرت عیسٰیؑ۔ کے بارے میں نہایت گستاخانہ انداز میں لکھا ہے۔ زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

۶ مقامی یعنی کالے مسلمانوں میں یہ لوگ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستانی حکومت نے کلمۂ طیبہ پر پابندی لگادی ہے۔

۷ ہاں ایک بات جس کا ذکر کرنا میں بھول گیا وہ یہ تھی کہ کانگریس (یعنی HOUSE) میں امداد کے بل پر بحث کے دوران جب (STATE DEPARTMENT) کے نمائندے کو حکومت کا نقطۂ نظر پیش کرنے کی دعوت دی گئی تو اس نے پبلک میں، یعنی اپنی (TESTIMONY) کے دوران اس شرط کو حذف کرنے کی سفارش کی تھی۔ تاہم (STATE DEPARTMENT) میں پاکستان ڈیسک کے لوگوں سے جو میری ذاتی ملاقاتیں ہوتی رہتیں ان سے اندازہ ہوا کہ (PRIVATELY) انہیں بھی قادیانیوں کی صورت حال کے بارے میں "کچھ تشویش" تھی، یعنی یہ کہ ان کے ساتھ جو کچھ کیا جارہا ہے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اس بات کا اظہار ان لوگوں نے (PUBLIC) میں نہیں کیا۔

۸ مقامی ہندوستانی پریس خصوصاً: (1) OVERSEAS TRIBUNE (WASHINGTON)

(2) INDIA OBSERVER (NEW YORK)

(3) INDIA ABROAD (CHICAGO)

قادیانیوں کی شکایتوں اور ان کے "مصائب" کو بڑھ چڑھ کر پبلسٹی دے رہے ہیں۔ ان کی کانفرنسوں کی تفصیلی روئیداد مع تصویروں کے شائع کرتے ہیں اور ان کے PROMOTE CAUSE کو (پرموٹ کرنے کو اردو کو کیا ہوگیا ہے؟) میں خوب زور لگا رہے ہیں۔

۹ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قادیانی حضرات بہت بڑی تعداد میں سرمایہ امریکہ منتقل کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ان لوگوں نے امریکہ کے مختلف شہروں میں اپنے نئے سنٹر تعمیر کرنے کے جو منصوبے بنائے ہیں اور نئے نئے بزنس کھول رہے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اب ان کا زیادہ سرمایہ پاکستان سے منتقل ہو کر امریکہ اور مغربی یورپ

کی طرف آ رہا ہے۔

دیکھئے میں نے اتنا لمبا خط لکھ دیا۔ میرا خیال تھا دو صفحے لکھوں گا سات صفحے لکھ دیئے۔ آپ کے پاس بھلا اتنا وقت کہاں ہو گا کہ آپ ان انٹ شنٹ باتوں پر ضائع کریں۔ بہرحال آپ کا اداریہ پڑھ کر آپ سے محبت کے تعلقات کا احساس پھر سے (REVINE) ہو گیا، دعاؤں میں یاد رکھیئے۔

والد صاحب محترم کی خدمت میں میرا مؤدبانہ سلام عرض کیجئے اور اُن سے بھی درخواست کیجئے کہ اس گنہگار کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی زندگی دے (آمین) بچے خیریت سے ہیں۔ اپنی ایک کتاب جلد آپ کی خدمت میں بھیجوں گا، ملنے پر اطلاع کیجئے گا۔

والسلام: آپ کا بھائی (محمد عبداللہ۔ واشنگٹن)

داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی ندوی کا مکتوب گرامی قدر | "الحق" کے تازہ شمارہ سے مخدومہ والدہ صاحبہ کے انتقال کی افسوسناک اطلاع ملی، مَیں چونکہ اس مرحلہ سے گذر چکا ہوں، اس لیے جانتا ہوں کہ کسی عمر میں بھی یہ حادثہ پیش آئے فرزند کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بچہ ہے اور اس کے سر پر سے سایۂ رحمت اٹھ گیا، میری طرف سے آپ اور حضرت والد ماجد دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ یہاں بعد نماز عصر رمضان المبارک میں ختم خواجگان ہوتا ہے، مرحومہ کے لیے اس موقع پر دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور آپ حضرات ان کے لیے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنیں۔

والسلام، مخلص (حضرت مولانا) ابوالحسن علی (ندوی مدظلہ)

دائرہ شاہ علم اللہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

"قرآن ۔۔ دی فنڈامینٹل لا اوف ۔۔ ہیومن لائف" | انگریزی زبان میں تفسیر قرآن حکیم ہے، اب تک ۱۴ جلدیں شائع کی جا چکی ہیں اور ابھی ۹ جلدیں باقی ہیں جن پر کام جاری ہے۔ ہر جلد تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے مغرب کیلئے قرآن فہمی کا اہتمام ضروری ہے کہ جو تبلیغ کی ایک مبارک صورت ہے۔ ایک ریاست اسلامی کے عین فرائض ہیں کہ وہ اپنی سطح پر نیز حتی المقدور عالمی سطح پر بطریق مناسب تبلیغ اسلام کا اہتمام پورے احترام و ثبات کے ساتھ کرے۔ بہ ایں ہمہ ہم اوقاف اسلامی فلاحی سرگرمیوں کے ساتھ اس میدان میں بھی سرگرم عمل ہو کر وہ خدمت سرانجام دیتے ہیں کہ جہاں حکومت وقت کی نظر بوجوہ نہیں جاتی۔

ہمدرد وقف اسلامی | بہ ہمہ خلوص و اُنس اور بہ ہمہ دیانت و امانت اس میدان میں صداقتوں کے ساتھ مستعد ہے۔ "قرآن ۔۔ دی فنڈامینٹل لا اوف اسلام" ہمدرد وقف ہی شائع کر رہا ہے۔ اوقاف اسلامی اسلام کا نہایت مبارک و مقدس اور وقیع و رفیع انسٹی ٹیوشن ہے جس کے احترام و اکرام اور جس کا بقا ایک ریاست اسلامی کا فرض منصبی ہے اور ذمہ داری شرعی ہے۔ پاکستان میں اوقاف اسلامی کا احترام کرنا چاہیئے اور دیانت شرعی کو

ذاتیات پر، تعصبات پر اور سن مانی فکر پر قربان کرنے کا گناہ نہیں کرنا چاہیئے ——— اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ باحترامات فراواں۔ آپ کا مخلص، علی حسن (ڈائریکٹر الفربیلنس)

روزنامہ جنگ راولپنڈی رقمطراز ہے اور خبر دعوت فکر دے رہی ہے : ایران میں مقیم ۴۰ ہزار یہودیوں کو اسرائیل منتقل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی ——— ایران میں مقیم یہودیوں میں سے ۳۰ ہزار کو آئندہ چند ماہ میں ترکی کے راستے اسرائیل منتقل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی۔ انقرہ سے شائع ہونے والے ترکی کے انگریزی اخبار "ترکش ڈیلی نیوز" کے مطابق اس سلسلے میں ترکی میں موجود ایرانی سفیر نے مختلف حکومتوں سے رابطہ قائم کیا ہوا ہے اور وہ متعدد بار اسرائیل کا بھی دورہ کر چکے ہیں جبکہ اسرائیلی حکام بھی اسرائیل منتقل ہونے کے خواہشمند یہودیوں کا انتخاب کرنے کے لیے کئی بار ایران جا چکے ہیں۔ اسرائیلی حکام ایران میں مقیم یہودیوں میں سے صرف انجنیئر اور ماہرین کا انتخاب کر رہے ہیں اور عام یہودیوں کو اس سلسلے میں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یہودی ایران سے بری اور فضائی راستوں سے ترکی جائیں گے۔ ترکی کے ایک یہودی تاجر نے استنبول میں ایک استقبالیہ مرکز قائم کیا ہے جہاں ان یہودیوں کا استقبال کیا جائے گا۔ قبل ازیں لندن کے اخبار "آبزرور" نے یہ اطلاع دی تھی کہ گذشتہ ماہ یورپ میں ایرانی اور اسرائیلی حکام کے درمیان خفیہ ملاقات ہوئی جس کے نتیجے میں اسرائیلی فوجی امداد کے بدلے میں ایران میں مقیم یہودیوں کو اسرائیل منتقل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۶ ستمبر ۱۹۸۷ء)

خیر و برکت کے زمان و مکان اللہ کریم نے بعض جگہوں کے اندر بھی خیر رکھی ہے اور زمانے اندر بھی خیر رکھی ہے، تاہم کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں کہ خیر والوں کے پہنچنے سے وہ شریف بن جاتی ہیں، جیسے دیوبند کی ابتداء پہ نظر ڈالیں رائیونڈ کے محل پر نظر ڈالیں، اکوڑہ بھی ایک شاہ شہیدؒ کے قدوم مبارک سے مشرف ہوا اور پھر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کی ذات گرامی، محنت و کوشش اور عمل پیہم نے اس کو چمکایا، بنوری ٹاؤن میں حضرت بنوریؒ نے رجال کار کو مقناطیسی کشش سے اپنے اردگرد جمع کر لیا تھا۔ اور با آپ جیسے احباب اور بزرگوں کو دیکھ کر رشک آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہم و مد فیوضہم ولا زالت شموس فیضانہم کے وجود سامی سے پیوست ہیں۔ جتنا علم و روحانیت اور اخلاق حسنہ کو جذب کر سکتے ہیں کر لیجئے، کوتاہی ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ بقول ع اب ڈھونڈ انہیں چراغ رُخ زیبا لے کر کی حسرت بھی پوری نہیں ہوگی۔ (قاری محمد سلیمان ٹیکسلا)

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرہ کتب

مسائل حج پشتو | تالیف: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب مجددی —— ضخامت: ۴۸ صفحات —— قیمت درج نہیں
ناشر: مفتی رشید احمد، مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب دار العلوم حقانیہ کے مفتی اعظم، فقیہ العصر، محدث اور صاحب دل بزرگ اور کامیاب استاذ ہیں۔ دورۂ حدیث کی اہم کتب بخاری شریف اور ترمذی شریف کی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے آئے ہوئے فتاویٰ اور مسائل کے جوابات اور تخصص فی الفقہ کے طلباء کی سرپرستی، طالبان سلوک کی تربیت کے علاوہ باری تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کے حسن ذوق کی سعادتوں سے بھی نوازا ہے۔ ہدیۃ القاری شرح عربی صحیح البخاری، منہاج السنن ۳ جلد آپ کی گرانقدر علمی تصنیفات ہیں —— پیش نظر کتابچہ میں ایسے اہم اور ضروری مسائل درج کر دیئے گئے ہیں جو علی العموم حاجیوں کو کثرت سے پیش آتے ہیں اور لاعلمی کی وجہ سے اس میں کثرت سے عملی غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ رسالہ کی فصل اوّل میں ان مصطلح الفاظ کی توضیح کی گئی ہے جو امور حج میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ فصل دوم میں عمرہ کا شرعی حکم، مسائل، فصل سوم میں ایسے لوگوں کا ذکر جن پر حج فرض ہوجاتا ہے۔ آگے کی فصلوں میں حج کے لیے روانگی کے احکام، مکہ معظمہ میں دخول، طواف اور سعی کے مسائل، تمتع، اس کی تعریف و توضیح اور ذکر مسائل مدینہ منورہ سے واپسی کی تفصیلات اور مسائل، حج کے احکام، زیادہ تر پیش آنے والے جنایات کا تذکرہ، احکام و مسائل اور آخر پر ھدیۃ السلفیہ کے نام سے متشدد و ظاہر پرستوں کے غلو و تجاوزات کا تذکرہ اور ان کا علمی جواب دیا گیا ہے۔ کتابچہ مختصر مگر جامع نافع اور ہر لحاظ سے مفید ہے۔ اگر برادرم مفتی رشید احمد صاحب اس کے اردو ترجمہ کا اہتمام کرلیں تو اس کا نفع اور بھی عام ہوگا۔ یقین ہے کہ شائقین و زائرین بیت اللہ اور باذوق علمی حلقے اس کی قدر کریں گے۔

حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاق | تالیف: جناب اعجاز احمد خان سنگھانوی —— ضخامت: ۳۱۲ صفحات
قیمت درج نہیں —— ناشر: کتب خانہ انور شاہ ۶۸۲/بی حضرت عثمان غنیؓ روڈ، کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ۳۱

قرآن کریم نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ دین الٰہیہ کو سمجھنے کے لیے کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا دین کی مکمل تشریح اکابر و اسلاف کے اصل حالات، ان کی دینی اور تبلیغی مساعی، ان کی تعلیم و تربیت

کے نتائج و اثرات، ان کے مزاج و مذاق اور ان کے فکر و عمل اور مؤثر انقلابی کردار کے بیان کیئے بغیر ادھوری رہے گی کیونکہ عامۃ المسلمین اور عام نسل کی موجودہ بے راہ روی، اسلام کی صحیح روح سے بُعد، آسمانی مذاہب کی مخالفت، مادی اقدار کی غلامی اور مغربی ولادینی فکر سے وابستگی درحقیقت، سلف صالحین اور ائمہ امت پر اعتماد کے فقدان اور اُن کے پیغامات و تعلیمات سے ناواقفیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اسلاف کے واقعات سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے تاکہ اس زمانہ کے نوجوانوں کے لیے ان کے صحیح حالات اور واقعات سبق آموز، شوق انگیز اور ہمت آفریں ثابت ہوں اور بحیثیت جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظر عام پر آئیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر جناب اعجاز احمد خان سنگھانوی صاحب نے خاندان شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے نسبی یا علمی و باطنی انتساب رکھنے والے تقریباً ستر اکابر علماء و مشائخ اور اسلافِ امت کے تبحر علمی، ذہانت و فطانت، نکتہ رسی و دقیقہ سنجی، حسنِ اخلاق، کریم النفسی، مجاہدہ و ریاضت، ورع و تقویٰ، توکل و استغناء، تواضع و انکساری، شفقت علی الخلق اور انسانی مروت و ہمدردی کے سچے سبق آموز اور مؤثر حکایات کو کتابی صورت میں جمع کر کے اُمتِ مسلمہ اور بالخصوص نئی نسل پر بہت بڑا احسان کیا ہے ـــــ کتاب اہل زمانہ کے معیار اور مذاق کو ملحوظ رکھ کر نہایت سلیس اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے۔ یقین ہے کہ اہل علم، تبلیغی حلقے اور اشاعتی ذوق رکھنے والے احباب اس کی قدر کریں گے۔

حکایات الصالحین | تالیف: جناب اعجاز احمد سنگھانوی ـــــ ضخامت: ۱۱۲ صفحات ـــــ قیمت: ۱۰/- روپیہ

ناشر: کتب خانہ انور شاہ ۶۸۲/بی حضرت عثمان غنی روڈ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ۳۱

مؤلف موصوف کی اس کتاب میں "حکایات الاسلاف" کی طرح علماء دیوبند کے علاوہ دیگر برگزیدہ اور جید علماء کے چیدہ چیدہ سبق آموز واقعات کو بڑے دلچسپ اور مؤثر انداز میں جمع کیا گیا ہے۔ جو اکابر اُمت کے ساتھ محبت اور ان کی زندگی کو اپنے لیے نمونۂ عمل اختیار کرنے کا اہم ذریعہ بنے گی ـــــ کتاب نہایت سلیس، عام فہم اور ادبی ذوق کی حامل ہے۔ خدا کرے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے نفع حاصل کرسکیں۔

سفرِ آخرت | تالیف: جناب اعجاز خان سنگھانوی ـــــ ضخامت: ۱۳۶ صفحات ـــــ قیمت درج نہیں

ناشر: کتب خانہ انور شاہ ۶۸۲/بی حضرت عثمان غنی روڈ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ۳۱

فاضل مؤلف کا یہ رسالہ بھی اپنے موضوع پر نہایت اہم رسالہ ہے۔ اس میں آخرت کے سفر کی پہلے مرحلے بیماری سے لے کر آخری مراحل دوزخ و جنت کے تمام مسائل، احکام اور نتائج نہایت عبرت انگیز اور سبق آموز انداز میں بیان کیے گئے ہیں بیماری، موت، نماز جنازہ، قبر، ایصال ثواب، عالم برزخ، جنت و دوزخ اور اس کے نظم و نسق کے بارہ میں خوب دلنشین انداز سے لکھا ہے۔ یہ رسالہ اصلاح نفس اور اعمالِ صالح کے انگیخت کے لیے مؤثر ذریعہ ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

سیف اسلام بر دشمنانِ اسلام یعنی شیعہ کے ہزار سوال کا جواب | تصنیف: مولانا مہر محمد میانوالوی — ضخامت: ۷۰۵ صفحات — قیمت ۸۵/۷ روپے
ناشر: مکتبہ عثمانیہ، نور یا والے بازار خرادان، گوجرانوالہ

سبائی ٹولہ اول روز سے مسلمانوں کے دینی مسلمات اور بنیادی اصول و عقائد کے شدید ترین دشمن چلے آرہے ہیں اور مختلف ادوار میں موقع پا کر مسلمانوں کے عقائد میں نقب زنی کرتے اور اہلِ اسلام کے ایمان میں تزلزل کی کوشش کرتے رہتے ہیں — الحمد للہ کہ علماء اہلِ سنت اس سے غافل نہیں رہے، دفاعِ صحابہؓ اہلِ سنت کے ایمان کا جُزء ہے۔ چنانچہ برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز، مجدد الف ثانی اور امام اہلِ سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہم اللہ کی مساعی تاریخ کا روشن باب ہیں — اور اب پاکستان میں رافضیت کا فتنہ جن جن وطیروں اور رچالبازیوں سے غلبہ کی راہ ڈھونڈ رہا ہے علماء اہلِ سنت بھی بھرپور طریقہ سے اس کا مقابلہ کر رہے ہیں — پیشِ نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی زرین کڑی ہے جو نوجوان فاضل اور محقق عالم مولانا مہر محمد مدظلہ کی تازہ تصنیف ہے جس میں سبائیوں کے تمام خرافات، اعتراضات اور مناظرہ بازیوں کی قلعی کھول دی گئی ہے اور تسلی بخش جوابات دیئے گئے ہیں — فاضل مولف نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شیعہ کے ہزار اعتراضات کے جوابات نہایت محققانہ سلیس اور عام فہم انداز سے دیئے ہیں اور ہر ایک بات باحوالہ اور علمی انداز میں ہے — اور مزے کی بات یہ ہے کہ کتاب کے تمام مندرجات امیر تحریک خدام اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کے مصدقہ ہیں — کتاب سے عوام اور خواص دونوں انشاء اللہ برابر کے مستفید ہوں گے رفض و تشیع کے اس دور میں اس کتاب کا مطالعہ بہت سی گتھیوں کے سلجھانے کا ذریعہ ہوگا۔

ہماری دعا ہے کہ باری تعالیٰ مصنف کی مساعی کو قبول کرے اور کتاب کی افادیت عام ہو۔ یقین ہے کہ قارئین اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

نائٹروجنی کھادوں
میں
ببر شیر یوریا
کا
مقام
ببر شیر یوریا کی خصوصیات
★ ہر قسم کی فصلات کے لئے کارآمد۔ گندم، چاول، مکئی، کماد، تمباکو، کپاس اور ہر قسم کی سبزیات
چارہ اور پھلوں کے لئے یکساں مفید ہے۔
★ اس میں نائٹروجن ۴۶ فیصد ہے جو باقی تمام نائٹروجنی کھادوں سے فزوں تر ہے۔ یہ خوبی اس کی
قیمت خرید اور بار برداری کے اخراجات کو کم سے کم کر دیتی ہے۔
★ دانہ دار (پریلڈ) شکل میں دستیاب ہے جو کھیت میں چھٹہ دینے کے لئے نہایت موزوں ہے۔
★ فاسفورس اور پوٹاش کھادوں کے ساتھ ملا کر چھٹہ دینے کے لئے نہایت موزوں ہے۔
★ ملک کی ہر منڈی اور بیشتر مواضعات میں داؤد ڈیلروں سے دستیاب ہے۔

REGD. NO. P-90